

سعادۂ حسن منہگو

جتازے



جنازے

سعادت حسن منٹو

ساقی بک ڈپو۔ دہلی

قیمت : پندرہ روپے

Rs 15/-

نام کتاب : جنازے
مصنف : سعادت حسن منٹو
سن اشاعت : ۱۹۸۵ء
مطابع : جمال پریس۔ دہلی

ناشر
ساقی بک ڈپو

اردو بازار۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶

انتساب

اس شخص کے نا اجمیری
موت پر ایسا ہی مضمون
لکھے گا۔

سعادت حسن منٹو

فہرست

- ۱ چنگیز خان کا موت ۷
- ۲ تیمور کا موت ۲۲
- ۳ قلو پوتا کا موت ۲۹
- ۴ پیر علی کا موت ۵۶
- ۵ بابر کی موت ۷۵
- ۶ شاہ جہاں کی موت ۹۳
- ۷ شیو شہید کی موت ۱۰۸
- ۸ راسپوتین کی موت ۱۲۳
- ۹ - منٹو ماموں کی موت ۱۳۳
(وامد جلال)

دیباچہ

زندگی موت کا دیباچہ ہے۔ اس
مجموعے کے مضامین جنہیں ریڈیو اصطلاح
میں فجر کہتے ہیں، چند دیباچوں کی
اختتامی سطور ہیں۔ کیا عجیب کہ
ان کو پڑھ کر آپ کو مرنے کا سلیقہ
آجائے۔

چنگیز خاں کی موت

آج سے سات سو برس پہلے کا ذکر ہے کہ ایک مقصود آدمی کی طرح
اٹھا اور قریب قریب ساری دنیا پر بھاگ گیا۔ اس مقصود کا نام "چنگیز خاں" تھا
جس کی دہشت ایک زمانہ تک لوگوں کے دلوں پر طاری رہی۔ زندگی میں
اس کو بہت سے خطاب ملے کسی نے اس کو "انسانوں کو ہلاک کرنے والا"
دیکھا کسی نے "شاندار لڑاکا" کا لقب دیا۔

یوں تو دنیا کے اور بہت سے بادشاہوں کو خطاب ملے۔ مگر
ان کے نام کے ساتھ سب سے نہیں۔ لیکن چنگیز خاں کو جس قدر خطاب ملے
اس پر حیران ہو گئے۔

یورپ کے بڑے بڑے جنگجوؤں کی فہرست میں سب سے پہلا
نام اسکندر مقدونی کا آتا ہے۔ پھر روم کے چند بادشاہوں کا۔

نپولین اعظم کے نام پر یہ مختصر فہرست ختم ہو جاتی ہے۔ یورپ کے جنگی اسٹیج پر یہی سب سے زبردست اور شاندار ایکٹر تھے۔ مگر جب ہم دوسرے ملکوں کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو یہیں ان کے مقابلے میں جنگیز خاں زیادہ ہیبت ناک اور بڑا دکھائی دیتا ہے۔

یورپ میں اس وقت ہلکے طرح تباہی پھیلا رہا ہے۔ اسی طرح اس زمانے کے متحصیاریوں کے ذریعے سے جنگیز خاں نے کشت و خون کا بازار گرم کیا۔ اس کی خوفناک فوجوں کے واسطے ہیں جو شہر آگے ملبہ کا دھیرے ہی گئے۔ جہاں سے اس کا لشکر گزر تا وہاں کے دریا پتھر گند بدل دیتے۔ وہاں کی زمین جو کبھی آدمیوں سے آباد تھی۔ سوائے بھیڑیوں اور وار کھانے والے پرندوں کے اور کوئی دوسرا جاندار نظر نہ آتا تھا۔ رباتی کے فوجی نپولین بونا پارٹ یورپ میں سب سے ممتاز نظر آتا ہے۔ مگر اس سے چند ایسی غلطیاں ہوئیں جن کو ہم کبھی بھول نہیں سکتے ایک مرتبہ مصر میں اپنی فوج دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ خود بھاگ نکلا۔ دوسری مرتبہ اس نے اپنی فوج کو روس کی برفوں میں مرنے کے لئے پیچھے چھوڑا، اور خود وارٹلو کے بھنور میں جا پھنسا۔ ایسی زبردست غلطیاں ہمیں جنگیز خاں کی فوجی زندگی میں نظر نہیں آئیں۔ اس نے آرمینیا سے لے کر کوریا تک، اور تبت سے لے کر روس کے دریا و دریا تک ایک ایسی سلطنت کی بنیادیں قائم کیں کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اور کنائی بغیر کسی مخالفت کے اس کا جانشین تسلیم کیا گیا اور اس کے پوتے نے آدھی دنیا پر بادشاہت کی۔

آج سے سات سو برس پہلے جب دریائے اورخان کے کنارے

دو ملن بلد اق کے مقام پر سیو کافی بہادر کے گھر متوجہ یعنی جنگیز خاں پیدا ہوا تو یہ دیکھا گیا کہ اس کی منہ می جا ہوا خون ہے۔ ماں کے پیٹ سے وہ خون سے رنگے ہوئے ہاتھ لے کر آیا۔

اس زمانے میں جہاں جنگیز خاں پیدا ہوا۔ ملک کی حالت بہت ابتر تھی۔ اکثر و بیشتر حصہ بجز اور ویران تھا۔ جس میں ہر دم گھوڑوں پر سوار شکار پیشہ، آوارہ گرد ہرنوں اور چکروں کے شکار میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس ملک کے لوگوں کا لباس جانوروں کی کھالیں ہوتی تھیں۔ دودھ اور گوشت سب کی خوراک تھی۔ سردی اور بارش سے بچنے کے لئے جسم پر چربی ملتے تھے۔ مہاشے ہلے میں گھسکر کر جانا، فاقوں سے دم نکلنا۔ دشمن کی تلوار سے کٹ مرنے۔ ان میں سے کسی بات کی بھی ان کو پرواہ نہ تھی۔ یہ خانہ بدوش بڑے وحشی آدمی تھے۔ جنگیز خاں یہ نکتہ سمجھ گیا کہ ان وحشیوں کو ایک دفعہ کا کھلا سامنے سے باز رکھنے کے لئے اس کے سوا کوئی تہہ سیر نہیں کہ انہیں کسی غیر ملک میں بھیج دیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنگیز خاں نے اپنی قوم کے ان بگولوں پر چار مجاہدے کئے اور باہر کے ملکوں پر آدھی کی طرح مہا چڑھایا۔

خدا کے اس تازیانے جنگیز خاں کی ہنگاموں بھری خونی زندگی ایک ضمون میں نہیں سما سکتی۔ ہم جنگیز خاں کے صرف آخری ایام کو پیش نظر رکھیں گے۔ جب کہ وہ ستر سال کا بڑھا اور تقریباً نصف دنیا فتح کر چکا تھا۔

پروردہ اٹھتا ہے۔ سن بارہ سو چھپس۔ ۱۲۲۵ء۔ کرکٹا جاڑا۔

— وریا تو کہے کنارے چنگیز خاں خیمہ زن ہے۔

چنگیز: بغور چی تم نے اور مقولی نے میری مدد کی ہے۔ جو کام میں نے تمہارے سپرد کیا تم نے بڑی درستی سے کیا۔ تم نے مجھے بُرا بھی کہا۔ مجھے ایسے کاموں سے بھی روکا جو غلط تھے۔
تمہاری ان ہی باتوں سے آج میں اس اعلیٰ مرتبے پر پہنچا ہوں اس وقت آدمی دنیا میں سے قبضہ میں ہے۔ آرمینیا سے لے کر کوریا تک اور تبت سے لے کر دریائے دو گائیگ میری سلطنت پھیلی ہوئی ہے۔
میں بہت خوش ہوں۔
میں بہت خوش نصیب ہوں۔

بغورچی: خان اعظم کو وہ دن یاد ہو گا جب بغورچی سے اس کی دوستی ہوئی۔
 — آٹھ گھنٹہ دوپہر کے بعد آپ کے چوری چلے گئے تھے۔ ہمیں
 دوستی کے اس مضبوط رشتے میں جکڑ دیا۔ — اس راستے میں
 جابھر سے تائیموت آپ کے آٹھ گھنٹے چہرا کر لے گئے۔
 میں ایک گھنٹہ کا دودھ دوہ رہا تھا۔ کسے خبر تھی کہ وہ نوجوان جو
 آٹھ گھنٹوں کے لئے اتنا حیران اور پریشان ہے ایک روز
 آدمی دنیا کا مالک ہو گا۔ — خاقان کو یاد ہو گا
 کہ اپنی گھنٹہ کی شہرہ کی۔

چنگیز: مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں نے تم سے بڑی پریشانی کے عالم میں پوچھا تھا۔ کیا تم نے ادھر سے آٹھ کو تل گھوڑے اور سوار ہاتے دیکھے ہیں۔

بغورچی! اوند میں نے جواب دیا تھا: ہاں سورج نکلنے سے پہلے کئی سوار
آٹھ گھنٹہ روں کو جن پر کوئی سوار نہیں تھا۔ ساتھ لے کر ادھر
سے گزرے تھے۔ جس راستے سے وہ گئے ہیں۔ وہاں گھوڑوں
کے سموں کے نشان ہیں۔ وہ تمہیں دکھا سکتا ہوں۔

چلگیز: ہم بڑی ترکیب سے ان ٹھوڑوں تک پہنچے اور انہیں ہانک کر
واپس لے آئے تاہم موت کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے ہمارا پیچھا
کیا۔ تم نے جھٹ کہا۔ اپنا تیر کمان مجھے دے دو میں پیچھے
رہ کر ان کا مقابلہ کروں گا۔

بغیر چچا، مگر آپ نے میری درخواست منظور نہ کی۔ غرض یہ کہ ہم دونوں گھوڑے دوڑاتے آئے۔ بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ شام ہو گئی اور روشنی کم ہونے لگی۔ مگر وہ سبز سے گھوڑے والے تاجپور سے اب اس قدر قریب آ گیا تھا کہ اپنا کند آپ پر اور مجھ پر آسانی کے ساتھ پھینک سکتا تھا۔

چنگیز نے اس وقت چلا کر تم سے کہا تھا۔ بغور چو دیکھو کہیں یہ دشمن تمہیں اپنی کمند سے گرا کر زخمی نہ کر دے۔ مشہور! ایں اس پر تیر چلا تا ہوں یہ

بغورچی! تیر نشانہ پر بیٹھا۔ وہ تانجوت گھوڑے کی پیٹھ پر سے گرا۔
اوسہم رات کے اندھیرے میں آٹھوں گھوڑے ساتھ لے
بھاگے۔

چنگیز: (خندتا ہے) تم جب واپس انڈیا جاؤ گے تو پہلے انڈیا پہنچو اور پھر آؤ گے کہ تمہارا باپ تمہارے غیر حاضر کی خبر لے گا۔ پہلے جاؤ گی۔

کی بڑی یسوی اور شہزادے اس کے ساتھ تھے۔ شروع شروع میں لڑائی میں کامیابی رہی۔ لیکن جب جاڑ آیا تو جنگیز خان ایک دن گھوڑے پر سے گرے اور ایسی چوٹ آئی کہ اس کے صدمے سے بیمار ہو گیا۔

یسوی: خان کے دشمنوں کی طبیعت بہت خراب ہے گھوڑے پر سے گر کر ایسی چوٹ آئی ہے کہ کئی چوڑھل گئے ہیں کل سے تیز بخار ہے۔ میں نے آپ لوگوں کو اس لئے یہاں بلایا ہے کہ اس جنگ کے متعلق بات چیت کی جائے۔ جو روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ بغور چکا تم بتاؤ اسی حالت میں کیا جنگ جاری رہنی چاہئے؟

بغورچی: خاقان کی حالت گونا گونا گویا نہیں کہی جاسکتی۔ مگر اس پر مصلحے میں شدید جو بھی بہت خطرناک ہوتی ہیں میری قورائے ہے کہ کچھ دیر کے لئے جنگ ملتوی کر دی جائے۔ خاقان کا علاج یہاں نہیں کیا جاسکتا۔ جب وہ تندرست ہو جائیں تو جنگ دوبارہ شروع کر دی جائے۔

یورگولا: اس رائے سے مجھے بھی اتفاق ہے۔ چرچہ دل میں سمجھتا ہوں یہ رائے بالکل درست ہے۔ حضور کی تندرستی سب سے ضروری چیز ہے۔

یسوی: بلالواریاں — تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔ بلالواریاں: تنگوت خانہ بدوش نہیں ہیں۔ شہروں میں رہتے ہیں کہیں چلے تو جائیں گے نہیں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ اب ہم اپنے

وطن کو واپس چلے جاتے ہیں۔ جب خاقان کا مزاحیہ ٹھیک ہو جائیگا تو پھر یہاں آجائیں گے۔ یسوی: تو پھر یہاں آجائیں گے۔

(اہانگ بیہوشیوں کی مدد سے جنگیز اندر داخل ہوتا ہے) جنگیز: کچھ طے وے نہیں — ہمارا مزاج بخیر ہے۔ ہم یہیں رہیں گے یسوی ایک بیوی کی حیثیت سے ہیں اپنی ہمدردی کی قائل کر سکتی ہو۔ معرکہ جنگ کے میدان میں تمہاری ہمدردی ہمیں کبھی متاثر نہیں کر سکتی۔ یورگولا: ہمارے بیٹھے کے لئے چوکی لاد۔

(خود اچوکی رکھ دی جاتی ہے) جنگیز: (چوکی پر بیٹھ کر) بغورچی! یہ چپکے چپکے کیا سازش ہو رہی تھی۔ بہت افسوس ہے کہ تم بھی میدان جنگ چھوڑنے پر رضامند ہو گئے۔

بغورچی: خاقان آپ کی صحت سبب چیزوں پر مقدم ہے۔ جنگیز: اور ہماری خوشی اس پر مقدم ہے۔ تم یقین کر لو کہ ہم بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ ہمارا علاج میدان جنگ ہی میں ہو گا۔ تم لوگ اتنا بھلا نہیں سمجھتے کہ اگر اس وقت ہم یہاں سے چلے گئے تو وہ باغی تنگوت یہ کہیں گے کہ ہم ڈر گئے۔ آج اکہتر برس کی عمر میں گھوڑے پر سے گر کر ہم اپنا وقار زخمی کر لیں یا نہیں۔ ہم ہرگز یہاں سے نہیں جائیں گے۔ یورچی! تم ایک اہلی تیار کر کے تنگوت کے پاس بھیجو جو ہمارا پیغام لے جائے۔

خوجی، پیغام ارشاد ہو۔
 جنگیز: مجھے چوڑے القاب وغیرہ بالکل نہ کہئے جائیں۔ بس اس سے
 صرف اس قدر کہا جائے۔۔۔۔۔ تنگوت نے شروع سے ہمارے
 ساتھ وعدہ کیا تھا کہ تم ہمارے دست راست بنو گے
 لیکن جب ہم مسلمانوں سے لڑنے گئے تو تم نے ہمارے
 ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ اور اس نافرمانی کے ساتھ
 ہماری توہین کی۔ اب مسلمانوں کو مغلوب کرنے کے بعد
 میں تم سے نیٹا اچھا ہوتا ہوں ہمارے قہر سے ڈرو اور ہمتیار
 ڈال دو۔

بلانویاں: آپ قوت و سطوت کے خدا ہیں۔۔۔ میں اکثر سر جنتا
 ہوں کہ آپ کے ہاتھ پر کوئی علامت اس قوت و سطوت کی
 ہے بھی یا نہیں!

جنگیز: (دہنستا ہے) بلانویاں! میں تمہیں ایک دلچسپ واقعہ سناتا ہوں
 سیافانہ پر بیٹھنے سے پہلے ایک روز ہم گھوڑے سوار جا رہے تھے
 ایک بیل پر سے گزرنے لگے تو دیکھا ہمارا تاک میں تھا آدمی
 بیٹھے ہیں۔ ہم گھوڑا سونٹ کر ان کی طرف بڑھے۔ انہوں نے
 دھڑکی سے ہم پر تیر برسا نے شروع کئے۔ لیکن جتنے تیر
 انہوں نے پھینکے صوب کے سب خفا گئے۔ ایک بھی ہمارے
 نہ لگا ہم آگے بڑھے اور چھوٹے دشمنوں کو موت کے گھاٹ
 اتار دیا۔ تو ساریں پھر اسی جگہ سے جہاں ہم نے دشمنوں کو
 مارا تھا۔ گزر رہا تو دیکھا کہ ان کے گھوڑے خالی بیٹھے پھر رہے ہیں

ہم نے ان گھوڑوں کو پکڑا اور ہانک کر اپنے گھر لے آئے۔ بولو
 اس سے کیا نتیجہ نکالتے ہو۔
 بلانویاں: غلام کو اس سوال کا جواب مل گیا۔۔۔ غاتان توت و سطوت
 کا خدا ہے۔
 جنگیز: دہنستا ہے خدا کا تازیانہ ہے۔۔۔۔۔ قبر الہی ہے۔۔۔

جنگیز کا بھیجا ہوا پہلی تنگوت کے پاس گیا اور وہاں سے ایسا
 ناگوار اور تکلیف دہ جواب لایا کہ جنگیز خاں کا خلیفہ و غضب اور زیادہ
 بڑھ گیا۔ اس نے سرداروں سے کہا۔ اب ناممکن ہے کہ ہم یہاں سے چلے
 جاتیں! ہم مر جاتیں گے مگر تنگوت کو بغیر سزا دئے نہیں چھوڑیں گے۔
 جنگیز نے اپنے دشمن بادشاہ تنگوت سے بدلہ لینے کی ہر ممکن کوشش
 کی مگر اس کی صحت اب بالکل خراب دے رہی تھی۔ اب وہ صرف چند
 دنوں کا جہاں تھا۔

بلانویاں: حضور اخلاص ملی ہے کہ آپ کے لڑکے خوجی نے پھر بغاوت
 کا جھنڈا بلند کر دیا ہے۔
 جنگیز: اس ناخلف لڑکے نے میں بہت تنگ کیا ہے تم ایسا کرو کہ
 فوراً ایک لشکر تیار کر کے اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دو۔
 بلانویاں: بہت اچھا حضور۔

خسارم: جہاں پناہ۔۔۔ بغور خوجی قدم بوسمی کے لئے حاضر ہیں۔
 جنگیز: اس کو اللہ بھیجے رو۔۔۔ ہاں تو ہم تم سے یہ کہہ رہے تھے

کہ جو جی کی سرکوفی کے لئے فوراً ایک لشکر روانہ کر دیا جائے۔ اس ناخلف رو کے نے ہمیں بہت ستایا ہے۔ کاش کہ ہم بیمار نہ ہوتے۔ بغورچی: یہ رو کا اب کبھی اپنے باپ کو نہیں ستائے گا۔

چنگیز: اسی سے تمہارا مطلب۔۔۔۔۔

بغورچی: ابھی ابھی اطلاع آئی ہے کہ جو جی کا انتقال ہو گیا ہے۔ چنگیز: کیا کہا۔ جو جی ہمارا بیٹا مر گیا۔ (توقف کے بعد) ہم تھوڑی دیر کے لئے دوسرے کمرے میں جا رہے ہیں۔ ابھی آتے ہیں (دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے)

بلانویاں: تم نے دیکھا بغورچی۔ خان کو اپنے بیٹے کی موت کا صدمہ ہوا ہے۔

بغورچی: میں نے خان کو آج پہلی بار مغموم دیکھا ہے۔ بلانویاں: اسی لئے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

بیٹے کی موت پر تنہائی میں چنگیز خاں نے بھت غم کیا۔ مگر یہ غم کسی کے غلبہ پر نہ ہو سکا۔ ذرا دیر میں برادر آگے بڑھتی رہیں۔ چلتے چلتے صوبہ کے جنگل سے گزر رہا تھا۔ سورج کی حدت کے باوجود درختوں تلے برسا ہوا ہوتا تھا۔ یہاں پہنچتے ہی چنگیز خاں نے لشکر کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اور قاصدوں کو بلا کر کہا کہ بہت جلد گھوڑے دوڑاتے ہوئے توئی کے پاس جاؤ۔ اور اس سے کہو کہ فوراً میرے پاس آئے۔ توئی اس کامیاب عمر بیکار خان کے خیمے اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ باپ آتشان کے قریب ایک قالین پر

سمور میں لیٹا ہوا ہے۔

چنگیز: آؤ توئی میرے بیٹے آؤ۔۔۔۔۔ میں تمہارا منتظر تھا۔۔۔۔۔ آؤ اور میرے پاس بیٹھو۔۔۔۔۔ میرے وفادار دوست اور بہادر جرنیل سب اس وقت موجود ہیں میں ان سے کہہ چکا ہوں کہ میری موت اب بالکل قریب آگئی ہے۔۔۔۔۔ جب میں اس سے نہیں ڈرتا تو تم کیوں ڈرو۔

توئی: اب ابی ایسا نہ کہتے۔۔۔۔۔

چنگیز: بیوقوف نہ بنو۔۔۔۔۔ توئی ہم وصیت کرنا چاہتے ہیں۔ فضول باتوں میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔۔۔۔۔ سنو ہماری وصیت ہے کہ تم سے روٹی جاری رہے۔ جس وقت تلگوٹ کی رعبہ صافی فتح ہو جائے تو تلگوٹ کے بادشاہ کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو جو اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ قتل کر دیا جائے۔ جب تک یہ صورت پیش نہ آئے، ہماری موت کو پریشان نہ رکھا جائے۔۔۔۔۔ (توقف کے بعد) اور کہانی تمہارا بھائی بلند حمت اور رحمدل ہے۔ اس کا حسن اخلاق بہت اچھا ہے لوگ پسند کرتے ہیں۔ اس لئے ہم اسے اپنا نائبین مقرر کرتے ہیں۔

توئی: آپ کا فیصلہ برحق ہے۔

چنگیز: توئی مشرق میں جس قدر ملک ہیں۔ تم ان کے مالک ہو۔

توئی: شکریہ۔

چنگیز: اور تمہارے چودے بھائی چغتائی کو ہم نے مغربی ملک

دیکھتے..... تم لوگ سب سنی لو کہ ہمارے ان الفاظ میں کسی قسم کی تبدیلی نہ جو نے پائے.... لڑائی مباری رہے اور تلگوں کے بادشاہ کو مواس کے ساتھیوں کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دشمن کو ہماری موت کی اطلاع نہ پہنچنے پائے۔

وصیت لکھ کر نے کے بعد جنگیز خاں کی روح پروردگر گئی اس کا انتقال جنونی چہیں میں "سنگ کے اندر ہوا۔ اس خیال سے کہ دشمنوں پر اس کی موت ظاہر نہ ہو۔ تابوت لے جاتے وقت راہ میں جو آدمی اسے قتل کر دیا گیا۔ وہ انسان جو ماں کے پیٹ سے نکلیں ہیں بڑا ہوا خون سے کہ پیدا ہوا.... ساری عمر خون کی ہولی کھیلتا رہا۔ موت کے بعد بھی خون خرابے کا باعث ہوا۔

جنگیز خاں کا تابوت گاڑی میں جا رہا تھا اور لوگ بین کر رہے تھے۔ اس سے پہلے تو شکریہ کی طرح شکار پر کرتا تھا۔ آج بھاری آواز دیتی ہوئی گاڑی تیرا تابوت لے جا رہی ہے۔ ہاتے میر سے جنگیز خاں۔ کیا یہ سچ کہ تو اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ کر پہلا گیا۔ اور اپنی قوم کی مجلس سے اٹھ گیا۔ ہاتے میر سے خان پہلے تو عقاب کی طرح جگر کاٹتا ہوا تھا۔ آگے رلا جاتا ہوا پہلا تھا۔ آؤ تو نے تھوڑا کھائی اور گر گیا۔ ہاتے میر سے خان۔ ۱۔

تیمور کی موت

پانچ سو برس سے کچھ زیادہ عرصہ ہو رہا ہے۔ جب ایک آدمی نے ساری دنیا پر قابض ہونا چاہا۔ جس کلام میں اس نے ہاتھ ڈالا اکامیاب ہوا، نصف دنیا سے زیادہ کے لشکریوں کو اس نے یکے بعد دیگرے نیچا دکھایا۔ کئی شہروں کو برباد کیا۔ کئی سلطنتوں کی دولت اپنے قبضے میں لایا اور جس طرح اپنا بگاڑی.... کئی سلطنتوں کی دولت اپنے قبضے میں لایا اور جس طرح چاہا، اسے صرف کیا پہاڑوں کی چوٹیاں کاٹ چھانٹ کر ان پر نر ہشت گاہیں بنائیں.... دریاؤں کے رخ بدل ڈالے۔ مہرگین اور راستے بنائے کر روڑے افسلموں کی تجارت کا مال ان پر سے گزرنے لگا۔ اس خونخوار جنگ جو توڑی کر ہم تحریر ہیں یا تیمور لنگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ایشیا اس سے خوب واقف ہے۔ اس پر ناز بھی کو تھا ہے اور مسکرا

بھی۔ بعض لوگ اسے گرگ سیاہ کہتے ہیں مگر بعض ایسے بھی ہیں۔ جو اسے شیر ثریا اور گیتی ستان کے لقب سے یاد کرتے ہیں مشہور شاعر ملکی نے غزلیں کی شاندار تصویر میں جو مہیب رنگ بھرے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ تیمور کے قصوں پر غور کرنے کے بعد ہی اس کے تلسم میں یہ بلا کا زور آیا تھا۔

شاعروں نے اس ہیبت ناک انسان پر خیال آفرینیاں کیں مگر مورخوں پر سکوت کا حکم طاری رہا۔ کہ وہ تیمور کو کس زمرے میں تصور کریں۔ وہ کسی شاہی خاندان کا رکن نہیں تھا۔ لیکن اپنی ذات سے ابتداء ایک فائسان کی بنا ڈال گیا۔ غارت مگر تھا۔ ڈھانے اور گرانے والا تھا مگر جب پناہ کی طرف راغب ہوا تو بے مثل عمارتیں اس نے تعمیر کرائیں۔ سکندر کی طرح کسی بادشاہ کا لڑکا نہیں تھا اور نہ جنگ کی طرح کسی لادشک والے کا وارث۔ فتح مند سکندر کے پاس مقدونیہ کے لوگ اور منگیز کے پاس مغلیں کے گروہ شروع سے موجود تھے۔ مگر تیمور نے خود اپنے لئے ایک قوم فراہم کی۔

انتہادرجے کی نفرت اور انتہادرجے کی محبت جیسی تیمور کے سلسلہ ظاہر کی گئی ہے۔ کسی دوسرے بادشاہ کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتی تیمور کے دربار کے دو بڑے مورخ گزرتے ہیں۔ ایک نے اس کو شیطان بتایا ہے اور دوسرے نے لکھا ہے کہ اس جیسا عالی ظرف بھی پیدا نہیں ہوا ابن عرب شاہ لکھتا ہے کہ وہ ایک بے رحم قاتل، مکرور فریب میں استاد کامل اور عداوت انتقام میں ممد کا قہر تھا۔

مولانا شرف الدین لکھتے ہیں کہ ہیبت و شجاعت نے اس کو تمام

جانور کی فہم شبہا ہی پر ممتاز کیا۔ اور تمام ایشیاء کو اس کے سامنے جھکا دیا۔

تیمور اگرچہ دنیا کے بڑے لڑنے والوں میں بہت بڑا اور جبرگت تھا۔ لیکن بادشاہوں میں وہ بدترین بادشاہ تھا۔ لائق، بہادر تھا، فیاض تھا۔ لیکن شہرت کا خواہاں، سخت گیر اور ظالم۔ اپنی ذاتی شان و شوکت کے مقابلے میں وہ دوسرے انسانوں کی خوشی کو تہہ کاہ سے زیادہ نہ سمجھتا تھا اس کی ذاتی شہرت نے اس کی قوت کے عالی شان عمل کو سلامت رکھا۔ لیکر جب وہ مرتو یہ عمل بھی اس کے ساتھ ہی گر پڑا۔ اس کی سلطنت اس کی موت کے ساتھ ہی مٹ گئی۔

اس متعمر غما کے میں جو ہم اب آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ تیمور لنگ کی زندگی کے آخری باب کی جھلک دکھائی جائے گی۔ جب کہ موت اس کے دروازے پر دستک ڈیٹا جا رہی تھی۔

فرشتہ موت: (موتی اور ڈرونی آواز میں) تیمور۔ ادھر دیکھو یہ لاشیں پہچانتے ہو؟

تیمور: (بے پرواہی سے) لاشیں کس کی لاشیں۔

فرشتہ موت: دیکھو یہ لاش کس کی ہے۔ پہچانتے ہو؟

تیمور: پہچانتا ہوں۔ یہ میرے بڑے بیٹے جہانگیر کی لاش ہے۔

مگر اس کو مرنے تو ایک زمانہ ہو چکا ہے۔

فرشتہ موت: (ہنستا ہے) اور یہ۔

تیمور: یہ عمر شیخ کی لاش ہے۔ مگر اس کو انتقال کئے بھی ایک مدت

ہو چکی ہے۔

فرشتہ موت: (ہنستا ہے) یہ

تیمور: یہ — میرا پوتا امیرزادہ محمد سلطان ہے۔ علی الم موت فرما کر بھی نہ پھوڑا — بڑا دلیر اور شجاع تھا۔ تمام لشکر اس کی پرستش کیا کرتا تھا۔ مجھے اس کی موت پر بہت افسوس ہوا تھا۔ (توقف کے بعد) اس نوجوان شہزادے نے اقبال و نصرت کی حالت میں دنیا کو خیر باد کہا۔ (آہ بھر کر) وہی فوجیں جو یہ مرحوم سمرقند سے اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ اپنے سردار کی لاش کندھوں پر اٹھا کر سمرقند واپس آئیں — رنگیں پرچیوں کی جگہ مالتی جھنڈے تھے۔ اس کا میں نے زیادہ خیال نہ کیا۔ لیکن جب مرحوم کے دودھ پیتے بچے میرے سامنے لائے گئے تو مجھے سخت صدمہ ہوا۔ اور کئی دن تک اپنے فیسے سے باہر نہ نکلا۔

فرشتہ موت: (ہنستا ہے) کیا اب بھی تمہیں معلوم نہیں ہوا کہ تم سے بڑھ کر کبھی دنیا میں کوئی قوت موجود ہے۔ ایسی قوت جس نے تمہارے بہترین ساتھیوں کو تم سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا ہے — تمہارے شروع زمانے کے تمام بڑے بڑے امراء آج اپنی قبروں میں بے خبر سو رہے ہیں — حاجی شیخ سیف الدین کہاں ہے جسے تمہارا وہ جاں نثار جاگو بیلا کہاں ہے؟ — امیرزادہ محمد سلطان تمہارے فرزند رشید کا تخت جگہ کہاں ہے جس پر تمہیں اتنا ناز ہے — اور تمہارا وہ وفا کش اور ملک حلال امیر آق بوزغا کہاں ہے جس کی خدمات کے صلہ میں تم نے

ہرات کی حکومت اس کو بخش دی تھی — کہاں اب یہ سب لوگ — تم نے جب اپنے پوتے محمد سلطان کی عزت کی خبر سنی تھی تو بھاگے بھاگے اس کے پاس گئے تھے۔ جیسے تمہاری آمد سے موت کا فرشتہ اپنے پڑھ لکھ کر ایک کونے میں دبک جائے گا۔ لیکن مریض کی زبان ایسی بند ہوئی کہ آخر دم تک نہ کھلی۔ وہ تم سے بات تک نہ کر سکا (دوبارہ ہنستا ہے) تیمور: (گھبرا کر جاگتا ہے) بند کرو اس ہنسی کو — بند کرو اس شیطانی ہنسی کو — یہ کون تھا؟

سمرائے خاتم: کیا حضرت صاحبِ قرآن نے آج پھر کوئی ڈراما نا خواب دیکھا؟

تیمور: (توقف کے بعد) ہاں — جب سے ہم اپنے عزیز پوتے کی لاش لے کر سمرقند آئے ہیں۔ عجیب عجیب خواب دیکھنے سے ہمارا نیند خراب ہو گئی ہے۔ سمرائے خاتم کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ خواب ہیں کیوں اشار ہے ہیں۔ کیا ہم بڑھے تو نہیں جو گئے؟ سمرائے خاتم: (ہنستی ہے) امیرزادہ محمد سلطان جو آدھی دنیا فتح کر چکا ہے۔ کیسے بڑھا ہو سکتا ہے — اور ابھی تو آدھی دنیا باقی ہے جو حضور کے قدموں کے نقش سے خالی ہے۔

تیمور: تم ٹھیک کہتی ہو سمرائے خاتم! ابھی تو آدھی دنیا باقی ہے۔ جو ہمارے قدموں کے نقش سے خالی ہے۔ (ہنستا ہے) جو آدمی ایک دفعہ پاؤں رکاب میں رکھتا ہے۔ اسے کاٹھی پر پہنچانا ہی پڑتا ہے۔ ابھی تو ہم نے رکاب ہی میں پاؤں رکھا ہے

کاٹھی پر پہنچنا ابھی باقی ہے۔
 سر کے خاتمہ پر کاٹھی ملک میں ہی ہو سکتی ہے۔ درہشت شاموں کے
 خواب آپ یوں ہی نہیں دیکھتے رہے۔
 تیمور نے بلایا زریک ہو، سرائے خاتم — کئی دنوں سے ہم فنانان
 چنگیزی خواب میں دیکھ رہے ہیں — جانتی ہو تم یہ وہ لوگ
 ہیں جو اپنے بڑے بڑے لشکر کے ملک خطا میں ہیں پہنچے
 تھے — کل رات ہم نے اپنے والد صاحب کو دیکھا تھا۔

وہ مجھ سے کہہ رہے تھے۔۔۔۔۔

سرا کے خاتمہ (دلچسپی سنتے ہوئے) کیا کہہ رہے تھے؟
 تیمور نے انہوں نے اپنے قبیلے کے فوجی امیروں کی داستانیں مجھے سناہیں
 کہ کس طرح مویشیوں اور شکروں کو ساتھ لے کر گشت کیا کرتے
 تھے۔ پہاڑوں پر جب برف گرے تو نیچے اتر آتے اور جب
 برف پگھلا تو پھر پہاڑوں پر پہنچ جاتے۔ کارواں کی سڑکوں پر
 کہیں گاچوں میں بیٹھ جاتے اور اپنے جھنڈے کے ساتے میں
 جس پر سیگ بنے ہوئے تھے چلتے چلے ایک خطا میں تک
 پہنچ جاتے۔ پورا قبیلہ پانچ سو میل کی کوہستانی زمین پر دو
 دو مہینے تک سیر و شکار میں مصروف رہتا۔ انہوں نے سید
 گھوڑوں کی قربانی کا بھی ذکر کیا۔ جو قبیلے کے سردار کی قبر پر ذبح
 کئے جاتے ہیں۔ یہ گھوڑے آسمان کے دروازے میں
 جہاں شمال کے ستارے روشن ہوتے ہیں داخل ہو جاتے تھے۔

تاہم ان روحوں کی خدمت کریں جو آسمانوں سے بھی اور کسی طبقے
 میں رہتی ہیں۔

پھر انہوں نے ملک خطا کی اینٹ پڑائی کا نام لیا جو اپنے
 ملک سے خاقان تاتار کے پاس بیاہی آئی تھیں اور جہیز میں
 حمیرہ و کتان اور عراج کی چیزیں گاڑیوں میں بھر کر ساتھ لائی تھیں
 — پھر انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ظفر مند خاقان تاتار
 جس پہاڑ سے منہ لگا کر گھوڑے کا دودھ پیتے تھے۔ وہ
 دشمن کی گھوڑی کا جوتا تھا اور اس پر سونا منڈھا جاتا تھا
 (توقف کے بعد سرائے خاتم درہشت شامو کا اب ایسا تصور
 بندھوا ہے کہ ایک لحظہ کے لئے بھی یہ دماغ سے نہیں نکلتا۔
 سر کے خاتمہ ہندستان کی حکومت آپ اپنے پوتے عمر سلطان کے
 بھائی کے حوالے کر چکے ہیں اور خراسان کی حکومت شاد رخ
 کو دے چکے ہیں۔ آپ کی پریشانیوں اب بہت حد تک کم ہو گئی
 ہیں۔ ملک چین پر چڑھائی کر دیجئے۔

تیمور نے یہی سوچ رہے ہیں۔ فقط یہی ایک سلطنت ایسی
 رہ گئی ہے جو ہمارا مقابلہ کر سکتی ہے۔ یعنی جس کو زیر کرنے میں
 ہم خوشی محسوس کر سکتے ہیں۔

کسی سردار یا امیر سے تیمور نے اپنے اس قصد کو ظاہر نہ کیا۔
 جابر کے کارنامہ تھا۔ اس لئے مجبور ہو کر میں قدر فوج تیرہ لاکھ کی چھاؤنی
 میں تھی وہیں رہنے دی۔ لڑائیوں سے جو انتظام درہم برہم ہو گیا تھا۔

اس کی درستگی کے لئے تیس ہزار روپے کی رقم جمع کر لی گئی۔ لیکن ہمارے ہاتھ ہی جب زمین پر سبزہ نمودار ہونے لگا۔ وہ مشرق کی طرف سمرقند جانے کی خاطر اپنے لشکر ادا کر کے دربار سمیت روانہ ہو گیا۔ اگست کے پہلے ہی سمرقند آکر باغ میں ٹھہرا۔ جامع مسجد جو نئی بن کر تعمیر ہوئی تھی اس کا معائنہ کیا۔

تیمور: درختوں کی حالت میں — میری عمارت کو ابھی تک ہماری خدمت میں کیوں حاضر نہیں کیا گیا۔

وقفہ

تیمور: ہم نے تم سے کچھ کہا تھا شاہ ملک۔
شاہ ملک: حضرت صاحب قسطنطنیہ کو یہ لانا اعظم کے حکم کی تعمیل ہوا ہی چاہتی ہے۔ میری عمارت میں اب حاضر ہوا ہی چاہتے ہیں۔

تیمور: اس نابکار نے مسجد کا ستیاناس کر دیا ہے۔ ہمارے خیال تھا کہ وہ اپنے فن میں خوب مہارت رکھتا ہو گا مگر اس کی بنائی مسجد دیکھ کر یہیں معلوم ہوا کہ وہ فن تعمیر میں محض کور ہے۔ اس حکم تخت نے اندر کے دالانوں کو زیادہ وسیع کیوں نہیں کیا۔ محمد جلد کہاں ہے؟ یہ سب اس کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ ہم نے تعمیر کا یہ تمام کام اس لئے اس کے سپرد کیا تھا کہ وہ اپنی نگرانی میں ہمارے مرضی کے مطابق مسجد بنوائے۔ مگر وہ بالکل نااہل ثابت ہوا ہے۔

چوبدار: حضور محمد جلد قدم بوسی کی اجازت چاہتے ہیں۔

تیمور: اچھا حاضر ہونے دو۔

وقفہ

ہمارے کچھ میں نہیں آتا کہ اس نے دالانوں کو زیادہ وسیع کیوں نہیں کیا۔ محمد جلد: غلام کو یہ نقش بجا لاتا ہے۔ حضرت صاحب قرآن!

تیمور: تمہاری کور نقش قبوں نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے کہ تم نے ہمارے احکام کے مطابق مسجد تیار نہیں کی تھی۔ تم نے یقیناً اپنی مرضی کو ہمارے احکام پر ترجیح دی ہے اور ایسی حدوں ملک کی سزا تم جانتے ہی ہو بہت کڑی ہو ا کرتی ہے۔

محمد جلد: مگر عالی جاہ۔۔۔۔۔

تیمور: ہم کوئی عذر بیٹھے کے لئے تیار نہیں — ہم تمہیں اس مسجد کا نقشہ اچھی طرح سمجھا چکے تھے جو ہم نے ہندوستان میں دیکھی تھی۔ اسی نقشے کے مطابق تمہیں ایک مسجد سمرقند میں تیار کرنے کے لئے ہم نے حکم دیا تھا۔ اس کا تمہارے پاس کیا جواب ہے کہ دالان اتنے چھوٹے کیوں بنوائے گئے ہیں؟ — کیا تم اس کام کو جس کا ہم نے کل معاہدہ کیا ہے صنعت عمارت گری کے معراج سمجھتے ہو۔ کیا اس قسم کی عمارت پیش کر کے تم ہماری داد کے طالب تھے؟

محمد جلد: عالی جاہ — غلام کا اب کبھی یہی خیال ہے۔ چاہے وہ غلط ہی ہو کہ یہ مسجد ہمارے معماروں کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے۔ غلام اگر اس خیال کے ماتحت داد کا طالب ہو تو قصود اس خیال کا ہے۔

تیمور! چونکہ خیال تمہارا ہے اور ابھی تک اس خیال کو اپنے دماغ میں پروش کر رہے ہو۔ اس لئے تم اور تمہارا خیال دونوں ہمیشہ کے لئے مٹ جانے چاہئیں۔ تم اب جا سکتے ہو۔

محمد جلد! بہت اچھا عالی جاہ!

وقفہ

تیمور! شاہ ملک!

شاہ ملک! ارشاد حضرت صاحبقران!

تیمور! محمد جلد کی تمام جائداد املاک گورگان اعظم کے حق میں ضبط کر لی جائے۔

شاہ ملک! حضرت صاحبقران کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔

تیمور! اور محمد جلد کے لئے ہم موت کی سزا تجویز کرتے ہیں کہ وہ اسی لائق ہے۔

اس زمانے میں تیمور نے ان وزیروں کا کام بھی دیکھا۔ جن کو اپنی عدم موجودگی میں وہ حکومت کا کام سپرد کر گیا تھا۔ کسی کو انعام دیا کسی کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دل کی وہ قوت حیرت انگیز ہو گی جس نے اس بڑے مہاراجے کے جسم کو زندہ کر رکھا تھا۔ تیمور کو اس کی مطلق پرواہ نہ تھی کہ وہ اس کا کیا وقت ہے۔ دو برس سے بصارت کم ہوتی جاتی تھی۔ آنکھوں کے پیرے ایسے گرے رہتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا سو رہا ہے۔ پھر اس وقت ایک کم ستر کی ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں فرمان جاری کیا کہ ایک جشن

جاری کیا جائے۔ پورے دو مہینے تک اور کوئی کسی سے نہ پوچھے کہ یہ جشن کس تقریب میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ ریڈی شان اور ریڈی سے اہتمام سے جشن انوارہ ضیافتوں کا سلسلہ جاری کیا ہوا۔ اور دو مہینے تک جب دھندلا آفتاب سمرقند کے ٹیلگوں پہاڑوں کے پیچھے چھپتا تھا تو تمام سمرقند ایک عالی جنات معلوم ہوتا تھا۔

جشن کا زمانہ ختم ہوا تو امیر تیمور نے شہزادوں اور امیروں کی مجلس منعقد کی

تیمور! (بلند آواز سے) — ہم نے تمام ایشیاء کو سوائے چین خطائی کے فتح کر لیا ہے۔ ہم نے ایسے بڑے بڑے بادشاہوں کو ہرنگوں کیا ہے کہ ہمارے کارنامے دنیا میں ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ تم لوگوں نے بہت سی لڑائیوں میں ہمارا ساتھ دیا ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ تمہیں فتح نہ ہوتی ہو۔ چین ہمارا دشمن ہے۔ اس کو فتح کرنے کے لئے بڑے زور اور ریڈی قوت کی ضرورت نہیں۔ بس اب ہم ملک چین کو ہمارے ساتھ چلاؤ۔ فتح و نصرت ہمارے آگے آگے وہاں پہنچ چکی ہے۔ ہم اپنے بزرگوں کی مردہ بوم اور دیوار چین سے جڑتے ہوئے ملک خطا میں پہنچیں گے۔ دو لاکھ کا لشکر سمرقند میں جمع ہو جائے گا۔ اسے ہم مختلف دستوں میں تقسیم کر دیں گے۔ اور ان چھاؤنیوں کی طرف روانہ ہوں گے جو چین کی سرحد کے کنارے ہم نے بنوا رکھے ہیں۔ جاؤ گے کہ ختم ہونے اور ہمارے آنے کا اختلاف ہم مناسب نہیں سمجھتے۔

سپاہ کو فوراً اترارے کو پہنچو۔ ہم اترار میں کچھ دیر آرام کریں گے۔ اور پھر اندر کے شہر میں ہوتے ہی جب سردار کی میں فدا کا تحفہ پیش کر دیں گے۔

اس حکم کے مطابق مارچ سن چودہ سو پانچ کا آنا تھا کہ تیمور کا لشکر اٹھا اور چلا۔ پرچم لہرا رہا اور پھر پیر سے اترنے لگے۔ گورد کوئی صد بلند ہوئی۔ موجودہ کے معائنہ کے لئے مصنفین باندھیں ہزارہ جات کے افسروں نے اپنے اپنے نقارہ جیوں کو جھگڑا کر بات گزرنے پر بغیر روٹی بھاگ کر صبح کی سلامتی اتاریں۔ غیر کی آواز میں بلند ہوئیں۔ کہیں اور نقارے گر جہنے لگے۔ لاکھوں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بھی اس شور میں شامل تھی

یہ سلامی تو بے شک تھی مگر ان کی جو دنیا سے چل بسے تھے۔ اترار میں تیمور کا انتقال ہو گیا۔ لشکر حکم کے مطابق شمال کی سرحد سے حرکت میں آیا۔ شاہی عالم کے سامنے میں اور غلن، تیمور کا گھوڑا تیار رکھ کر تھا۔ مگر اس پر کوئی سوار نہیں تھا۔ تیمور وقتِ نزع کی حالت میں تھا۔

سراستے خاتمہ: میں نے حضرت صاحبقران کی علالت کی خبر سمرقند میں سن کر بہت تیزی سے سفر طے کر کے اترار پہنچی ہوں۔ حکیم صاحب فرماتے اب ان کا کیا مال ہے؟

فضل اللہ تبریزی: ملکہ عالم حضرت صاحبقران کا مرض علاج سے باہر ہے۔

سراستے خاتمہ: تو کیا۔ تو کیا۔

تبریزی: مشیت میں کسی کو چاہے ہے۔ اب حضرت صاحبقران کا وقت قریب ہے۔ ہزار غلن یہ غلام کر چکا ہے۔ بیڑے بیڑے نسخے تجویز کر چکا ہوں۔ مگر کوئی افادہ نہیں ہوا۔ ایک مقوی عرق کشید کر دیا تھا۔ اس کی کئی بوتلیں پلڑا چکا ہوں۔ معجزہ جسم میں حیرت پیدا نہیں ہوئی۔ اب کچھ دنوں سے قرآن خانی اور دعائیں مانگنے کا سلسلہ جاری ہے۔

(دوسرے کمرے میں)

تیمور: دغیف آواز میں اشیاعت و مردانگی کے ساتھ ہمیشہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ہے۔ آپس میں اتفاق و یک جہتی رکھنا۔ نا اتفاق میں تباہی ہے۔ ملک خطا کی فوج کشی ہرگز ہرگز مانتوی نہ کرنا۔ سن رہے ہو۔۔۔؟

نور الدین شاہ ملک: سن رہے ہیں حضرت صاحبقران۔ تیمور: جب میں مجاہدوں کو کپڑے نہ پہھاؤں گا۔ دیوانوں کی طرح بھاگتے نہ پھرتا۔ کیونکہ ایسی باتوں سے پریشانی اور بد نظمی پیدا ہوتی ہے۔ نور الدین: شاہ ملک تم دونوں فدا اند قریب آ جاؤ۔ (وقفہ)

تیمور: قریب آ گئے۔ سنو۔ جہانگیر کے فرزند فقیر محمد کو میں اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں اسے سمرقند میں رہنا ہو گا تمام لشکر اور دیوانی معاملات پر اسے پورے اختیار ہوں گے۔ میرا حکم ہے کہ تم سب اپنی تمام ٹھاس کی تابعداری میں صرف کرنا۔ اسے تمام دودر داز ملکوں اور سمرقند پر حکومت کرنی ہوگی اگر تم نے

اس کی اطاعت نہ کی تو پھر اس کا نتیجہ تشویش و ذریعہ ہوا۔
 شاہ ملکہ نے حضرت صاحبقران کی وصیت کے مطابق عمل ہو گا۔
 مگر عرض ہے کہ آپ اپنے اور پوتوں کو بھی طلب فرمائیں۔ تاکہ یہ
 احکام وہ بھی اپنے کافروں سے سن لیں۔
 تیمور (اضطرار کے ساتھ).... بس یہ آخری دربار ہے۔ خدا کو۔
 — خدا کو یہ نہیں منظور تھا۔ (وقفہ — سر آہ بھر کر) اس وقت
 اور کوئی تمنا بجز اس کے نہ تھی کہ اپنے پوتے شاہ رخ کو ایک
 مرتبہ دیکھ لیتا۔ مگر یہ ناممکن ہے۔

یہ ناممکن کا لفظ غالباً پہلی مرتبہ تیمور کی زبان پر آیا۔ جس فولاد
 کی طبیعت نے زندگی کی راہ اس طرح طے کی تھی۔ جیسے مرنے کی سنگلاخ
 (زمین پر پہلی چلا تا نکل جاتے۔ اس زندگی کے فحاحے کو بھی بلا عند و
 شکایت تسلیم کیا۔

قلو پطرہ کی موت

قلو پطرہ دنیا کی حسین ترین عورت تھی۔ اس کا شہس کئی انقلابوں
 اور خونریزیوں کا باعث ہوا۔ اس ساحرہ کے حسن و عشق کے قصے
 جہاں دریائے نیل کے ملاحوں کو اندر بہا دیتے ہیں۔ وہاں تمام دنیا کو بھی
 معلوم ہیں۔

قلو پطرہ مصر کے نالائق بادشاہ بسیوس اولیت کی بیٹی تھی۔
 یہ بادشاہ شہنشاہ قبائلی مسیحی حکمران رہا۔ اپنی سترہ برس کی جوان بیٹی
 قلو پطرہ کے سر پر اپنا زنگ خورزہ تاج رکھ کر اس نے دنیا کو خیر باد
 کہی۔

ملکہ مصر قلو پطرہ فاطمہ کی فاتح تھی۔ اس نے جو لیس سیر نہ کو اود
 اس کی موت کے بعد مارک انطونی کو جس کے ہاتھ میں ان دونوں دنیا

کی باگ ڈور تھی۔ اپنے حسن و جمال سے مسحور کیا۔

اس حسین قاتل نے انطونی کو تو ہمیشہ سے لئے برابر کے سیلاب میں بہا دیا۔ تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ انطونی نے اپنی بیوی اوکٹاویہ کے ناپسندیدہ رویہ سے مجبور ہو کر اس کے بھائی اور کتے دیانوس کی سخت توہین کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے درمیان ایک وسیع فلیج مائل ہو گیا۔ پارٹھینون پر فتح حاصل کر کے اور کتے دیانوس نے انطونی کے روم کو مکمل طور پر تاراج کرنے کی کوشش کی اور اسکندر یہ کی پرفانی عظمت کو زبردست دھکا لگایا۔ اس نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ روم کی سلطنت کا اصل حقدار قلوپطرہ اور اس کا بیٹا سیزرین ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اور کتے دیانوس اور انطونی کی جماعتوں میں جنگ ہونی ناگزیر تھی۔

چنانچہ اکتالیس کے مقام پر ایک معرکہ خیز جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں قلوپطرہ بھی شریک تھی مگر اپنی جان بچا کر بھاگ نکلی اور اسکندر یہ میں پناہ لی۔ انطونی شکست کھا کر واپس چلا آیا۔ جہاں اس نے اپنی وفادار فوجوں کو دوبارہ جمع کرنے کی کوشش کی۔

انطونی اور قلوپطرہ اب محسوس کر رہے تھے کہ انہوں نے ایک دوسرے کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ چنانچہ دونوں کے دلوں پر غم کی جھلکیاں چھا گئیں۔ لیکن ایک آرزو ابھی تک ان کے دل میں باقی تھی کہ انجام کار ان کا ملاپ ہو جائے۔

انطونی بیدیا سے ناامید ہو کر اسکندر یہ آیا۔ اس اثنا میں اور کتے دیانوس کی فوجیں اسکندر یہ کے دروازوں تک پہنچ گئیں۔

انطونی نے ایک بار پھر اپنی کھوئی طاقت اور دلیری سے کام

لے کر دشمن کا مقابلہ کیا۔ لیکن فوج نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بالکل تنہا دل میں ہزاروں مسرتوں کا خون لئے، جب وہ اپنے محل میں آیا تو قاصد نے خبر دی کہ قلوپطرہ نے خودکشی کر لی ہے۔ یہ دراصل قلوپطرہ کی ایک ہال تھی۔ اسے ڈر تھا کہ انطونی اس کی غدارانہ پرتشنگیں نہ ہو گا۔

لیکن قلوپطرہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے بڑی منتوں سے اپنے عاشق کو کہا بھینجا کہ جس طرح ممکن ہو وہ اس کے پاس چلا آئے۔ چنانچہ انطونی کے ملازم اپنے زخمی آقا کو اٹھا کر اس عمارت کے دروازے تک آئے جس میں قلوپطرہ نے خود کو چھپا کر کھاتھا۔ قلوپطرہ نے خوف سے دروازہ نہ کھولا۔ ایک کھڑکی سے پیچھے رسیاں پھینکی گئیں۔ جن کی مدد سے زخمی انطونی کمرے کے اندر لایا گیا۔

قلوپطرہ :- انطونی — انطونی — (رو کر) — تیرے دشمنوں کو کیا ہو گیا ہے — یہ لہو — یہ لہو — کوئی ہے — کوئی ہے — آکر س — آکر س کچھ کر دو — زندہ س — زندہ س کی خاطر کچھ کر دو۔

انطونی :- یہ کون ہے — یہ کس کا ہاتھ ہے — تو زندہ ہے — تو زندہ ہے — آہ! میری موت کو کس قلعہ صدمہ پہنچا ہے۔ وہ مرمو کہ تیرے زندگی کی طرف دیکھ رہی ہے — قلوپطرہ — قلوپطرہ —

قلوپطرہ :- انطونی میں زندہ ہوں پر موت کی گود میں — تو مطمئن نہ۔ تیری موت اکیلی سفر پر نہیں جائے گی تو تجھ پر شک کرتا ہے

انطوفی۔ تو سمجھتا ہے کہ میں نے لڑائی میں تجھے دھوکا دیا۔
 نہیں نہیں۔ مقدس دیوتاؤں کی قسم نہیں۔ میں ڈر گئی تھی۔
 جنگ کے میدان میں میری موت کے قدم لڑ کھڑا گئے تھے۔
 میں بھاگ نکلی، جان بچانے کے لئے نہیں خود کشتی کرنے کے
 لئے۔ اسی لئے میں نے تجھے اٹلا کر بھیجا۔ پر تجھے یہ معلوم نہیں
 تھا کہ توجھ سے پہلے اس راہ پر گامزن ہو جائے گا جس پر تیری
 محبوبہ چلنے کا ارادہ کر رہی تھی۔

انطوفی:۔ جان من مجھے تجھ پر پورا بھروسہ ہے۔ چھوڑاں بیچارہ
 باتوں کو۔ زندگی اور موت کے درمیان جب ایک مٹھی بھر ریت کا
 فرق رہ جائے تو ایسی باتیں نہ کرنی چاہئیں۔ آؤ پیار محبت
 کی باتیں کریں۔

قلو پطرہ:۔ (پھوٹ پھوٹ کر روتی ہے) انطوفی۔ انطوفی !
 (تھوڑا وقفہ)

انطوفی:۔ قلو پطرہ یہ تو نے کیا کیا۔ اپنا سارا چہرہ میرے
 بڑے کاہن بھی نہ دے سکے۔ زندگی کی یہ مختصر گھرٹیاں جو
 موت نے مجھے بخشی ہیں۔ فضول باتوں میں ضائع نہ ہوں۔
 جان من ابھی تک میرے پاس چومنے کے لئے ہونٹ صحت کا نظارہ
 کرنے کے لئے آنکھیں، اور تیری نفرتی آواز سننے کے لئے کان
 موجود ہیں۔ آ۔۔۔ اس پرانی یاد کو تازہ کریں، جب اودی
 اودی گھٹائیں جھوم کر آتی تھیں۔ اور تیرے براہ سے نغمے
 یوں اٹھتے تھے جیسے دو آتشہ شراب سے چنگاریاں۔

جب تیرا آواز ہو انہیں پسلیاں بکھیرتی تھی۔ یاد ہیں تجھے وہ
 دریائے نیل کی راتیں۔۔۔

(آواز نہ ہونے پر)

قلو پطرہ:۔ (گھبرا کر)۔ انطوفی۔
 (تھوڑا وقفہ)

انطوفی:۔ (دھوش میں آ کر)۔ کیوں۔ نہیں، نہیں۔ میں
 میں زندہ ہوں مجھے یاد ہے میں کیا کہہ رہا تھا۔ دریائے نیل
 کی راتیں صرف اس لئے خاموش ہوتی تھیں کہ تجھے انطوفی سے
 کچھ کہنا ہوتا تھا۔ جو صرف اس لئے اندھ باری ہوتی تھیں کہ
 تجھے نقاب ڈالنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ تجھے یاد ہیں
 مجھے یاد ہیں وہ راتیں جب تیری اچلی پیشانی سے میں سیاہ
 زلفیں یوں ہٹاتا تھا۔ جیسے یونانیوں کی دلیوی اور راسات کے
 سیاہ پردے ہٹا کر مشرق کے رو پہلے بھانک کھول دے۔
 آہ لیکن اب اس یاد کا مدفن بننے والا ہے۔ اس سینے میں جو کہ
 زخمی ہو رہا ہے۔ قلو پطرہ! تیرا انطوفی اب چند گھنٹوں کا
 بہان ہے۔

قلو پطرہ:۔ (دھکا کر)۔ انطوفی۔ انطوفی۔ میرے
 مالک تیری کینز کے دل میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ ایسی دیکھ
 بھری باتیں سن سکے۔ قلو پطرہ کے سینے میں خود اتنی
 دل ہے انطوفی۔

انطوفی:۔ جب انطوفی مر جائے تو صبر کرنا اور زندہ رہنا۔

تجہ ہی کہ اس نے وہ گوہر دیا جس کو حاصل کرنے کے لئے فرشتے
بھی آسمان پر ترپتے ہوں گے۔

(پھوٹ پھوٹ کر روتی ہے)

قلوبطرہ ۱۔ لیکن — لیکن میں تیری قاتل ہوں — میں نے ہی یہ
منوں مٹی تیرے سینے پر ڈالی ہے۔ تیری زندگی پر موت کا
بھاری پتھر میں نے ہی رکھا ہے۔ میں زندہ ہوں لیکن ایکلی۔
— تیری قبر کی تنہائی اس تنہائی سے کم خوفناک ہے جس میں کہ میں
لیٹی ہوئی ہوں — تو مردہ ہے۔ لیکن ایک نئی زندگی کے
راستے پر گامزن ہے — میں زندہ ہوں لیکن موت کی تمنا
نہیں کر سکتی۔ وہ میری موت نہیں چاہتے۔ زندگی چاہتے ہیں۔
زندگی جو کہ مسلسل موت ہوگی۔ اے آرام کرنے والے اب
کہ تو موت کی آغوش میں بے خبری کی نیند سو رہا ہے، مجھ پر طرح
طرح کے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔ قدرت کی ستم ظریفیاں
دیکھ۔ دیکھ کہ تو روسن ہے، اور مصر میں مدفون ہے میں مصری ہوں
اور روم میں دفن کی جاؤں گی۔ (انطوفی — انطوفی)
— اس بیگمی کے عالم میں تجھے میں کچھ نذر نہیں کر سکتی —
— میری زندگی حاضر ہے جس کے ہر ذرے پر تیرے بوسے اور
آنسو چکا رہے ہیں۔ — اب تیری کنیز کے دل میں کوئی
تمنا ہے تو صرف یہ کہ مرنے کے بعد اس تیرے پہلو میں دفن
کیا جائے۔ — کیا میری یہ خواہش پوری ہوگی۔ — جیہ کچھ نہیں
کہہ سکتی۔ — کچھ نہیں کہہ سکتی

اوتکتے دیانوس نے حکم دے رکھا تھا کہ ملکہ پر سخت پہرہ
رہے تاکہ وہ خودکشی نہ کرنے پائے۔ — اس کا ارادہ تھا کہ قیدی
بن کر قلوبطرہ کو روم لے جائے اور وہاں اپنی فتح کی خوشی میں ایک شاندار
جلوس نکالے۔ اس جلوس میں وہ قلوبطرہ کو زنجیریں پہنا کر اپنے جلوس
میں رکھے۔ مگر ملکہ مصر کو یہ بے عزتی منظور نہ تھی۔
قلوبطرہ اس عمارت میں جو کہ اس نے خاص طود پر اپنے لئے ہی
آئیسس کے مندر کے پاس بنوائی تھی نظر بند تھی۔ اس کے ساتھ
اس کی دو خواہیں تھیں۔ آئیسس اور شارمین۔

(آئیسس ملکہ مصر کو یہ گیت سناتی ہے)

اے نیل کی رانی

رفتار میں اڑتے ہوئے باد کی روانی

ہونٹوں کے خموں پر شفق آلود سلاپانی

اے نیل کی رانی

سینہ ہے کہ لہروں پہ کنول تاج رہے ہیں

زلفیں ہیں کہ لہرائی ہے ساون کی جوانی

اے نیل کی رانی

قلوبطرہ ۱۔ (دکھتا کر) — بند کر — بند کر آئیسس اس

عجبت کو — موت کو ایسی لوریاں نہ سنا آئے دے اسے

— آنے دے —

آکر میں :- ملکہ مصر کی طبیعت آج ناماز معلوم ہوتی ہے۔
 قلو پطرہ :- (منستی ہے) ملکہ مصر — میرا مذاق اڑاتی ہے آتری؟
 — تیری اس ملکہ سے تو وہ بانسری بجائے والی چھوڑاں ہزار
 درجے بہتر ہیں جو اپنا گلاب چاہیں کاٹ سکتی ہیں بلکہ مصر سے
 تو وہ کسبیاں بڑے آرام اور سکون میں ہیں جو اسکندر یہ کی گلی
 کوچوں میں سارا گزروں سے آنکھیں لڑاتی ہیں۔ کیا واقعی میں ملکہ
 ہوں — کیا واقعی میں مصر کی وہ سرکش حکمران ہوں جس کا غلام
 بننے میں انطونی جیسے فاتح نے فخر محسوس کیا۔ کیا سچ پنج میں
 وہی مہارانی ہوں جس کے ایرو کے ایک اشارے پر ہر مشن
 جیسا باغی ناجا — کیا میں وہی حسینہ ہوں جس کی ایک ادانے
 سیز کو تمام جنگی واقعات پہلا دیتے — نہیں، نہیں! میں
 کچھ بھی نہیں ہوں۔ صرف ایک عورت باقی رہ گئی ہوں جو رومیوں
 کے خوف سے چہ پیا کی مانند اپنے بل میں دبکی بیٹھی ہے۔ میں
 عنقریب گرفتار کر لی جاؤں گی۔ میرے ان گور سے تیرے دشمنوں
 میں جن پر سونے اور چاندی کے خلیماں جھنجھنا رہیں پچھاؤ کرتے
 تھے۔ تو ہے کی موٹی زنجیریں پہنا کر وہ تجھے روم کے بازاروں
 میں پھرتیں گے، تجھے ننگا کر دیا جائے گا۔ روم کے کنجڑوں اور
 جماعوں کی آنکھیں بھی اس حسن کا نظارہ کر دیں گی جو اب تک صرف
 چند خوش نصیب لوگوں تک محدود رہا ہے۔ روم کا تپتا ہوا
 سودی میرے اس گدراستے ہونے جسم کی تمام رعنائیاں بھسم

کر دے گا — ملکہ — کیا ملکہ ایسی ہی بد نصیب عورتوں کا
 نام ہوتا ہے؟

(وقفہ)

کیا اس زلت سے بچنے کی کوئی ترکیب نہیں۔۔۔

شارمین :- جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں۔
 قلو پطرہ :- (منستی ہے) — جان کی امان — کہہ تجھے کیا کہنا
 ہے — شارمین تیری ان سیاہ آنکھوں میں آنسو آج ایسے
 چمک رہے ہیں جیسے کالی گھٹاؤں میں پانی — بتا تجھے کیا
 کہنا ہے؟

شارمین :- ملکہ مصر، ملکہ مصری رہے گی — اس کے دشمنوں کو اپنے
 ارادے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

قلو پطرہ :- کیسے — کیسے شارمین! جلد بتا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟
 شارمین :- میرے منہ میں خاک — اگر ملکہ کو دشمن ذلیل کرنے
 ہی کا ارادہ رکھتے ہیں تو بہتر ہے کہ۔

قلو پطرہ :- لیکن یہ کیوں ہو سکتا ہے — تو ٹھیک کہتی ہے شارمین
 اس ترکیب سے ملکہ، ملکہ ہی رہے گی۔ مرنے دم تک اس کی
 شان میں فرق نہیں آئے گا۔ لیکن تو جانتی ہے ہم پر کتنی کڑی
 نگرانی کا جا رہی ہے۔ فرشتہ موت کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ
 اگر پہرہ داروں نے سن لی تو معلوم ہے، تجھے اڑکتے دیا تو س
 میری اولاد کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا — پھر تو جانتی
 ہے، اگر میں اپنی کوشش میں ناکام رہی تو وہ موت کے دروازے

ایک مگر مجھے تک چھوڑ کر تیرے گھر گیا۔ وہ مجھے آہستہ آہستہ مارنا چاہتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ بقول تیرے اس کو اپنے ارادوں میں ناکامی ہونی چاہیے۔ آکر مس۔ آکر مس۔

آکر مس۔ اور شاہ!

قلو پطرحہ: ۱۰۔ مجھے ایک ایسا سانپ چاہیے جو صرف ایک بار ڈسنے سے مجھے موت کی نیند سلا دے۔ کیا اسکندر یہ گے سپیرے تیری کافی زلفوں کے بدلے مجھے ایسا سانپ نہیں دیں گے؟

آکر مس۔ کنیز کو شمش کرے گی۔

قلو پطرحہ: ۱۱۔ اور دیکھ یہ سانپ اس طور پر میرے پاس لایا جائے کہ بھرے داروں کو بالکل شک نہ ہو۔

آکر مس۔ لونڈی ہو شکاری سے کام لے گی۔

قلو پطرحہ: ۱۲۔ شاہاباش آکر مس شاہاباش اتیری ملکہ کی موت ہمیشہ تیری احسان مند رہے گی۔ اب تو جا ادا پنا کام کر۔ میں اس گھر سے میں تیرا انتظار کروں گی۔

(شارمین بربط کے تار چھڑتی ہے)

قلو پطرحہ: ۱۳۔ شارمین چھوڑ اس بربط کو۔ جا میرے غسل کا سامان تیار کر۔ میرا بہترین لباس نکال۔ میرا جسم آج قیمتی عطیوں میں لبادے۔ ملکہ، ملکہ ہی رہے گی۔ اس کا وقار کبھی اس آدمی کے آگے گھٹے نہیں ٹھیکے گا۔ جا میری موت کے استقبال کی تیاریاں کر۔

قلو پطرحہ نے غسل کیا۔ شارمین نے اس کو خوشبوؤں میں لپیٹ دیا جو لباس اس نے موت کا استقبال کرنے کے لئے پہنا بہت مہین اور خوش رنگ تھا۔ سر پر تلخ تھا، جس پر گدھو بنا ہوا تھا۔ گدھ کے پھیلے ہوئے پر قلو پطرحہ کے کالوں کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ وہ بلا کی حسین نظر آرہی تھی۔

قلو پطرحہ: ۱۴۔ شارمین ادھر آ۔ اور ان البیلی اور بد مست را مشکروں کی داستانیں سنا جو اسکندر یہ کیا گذر گاہوں پر حسن و عشق کا چھڑکاؤ کرتی رہتی ہیں ان البلی چیلہ پھیلی جسم سنی بافسری بجانے والی چھو کر یوں کی باتیں کر جو مصر کے باغیچوں میں اپنی جوانی کے راگ الاپتی پھرتی ہیں۔ دیوی امشکر کے مندر میں جانے والی ان کنواریوں کے رنگین فسانے سنائے جن کی جوانیاں پھٹ پڑنے والے جام ہیں۔ مصر کے ان عشق پیشہ نوجوانوں کی کہانیاں بیان کر جن کے لمبا دلوں کی ہر شکن میں کئی کئی کپکپاہٹیں اٹکی رہتی ہیں۔

شارمین: کنیز کو گانے کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔

قلو پطرحہ: ۱۵۔ تو اٹھا بربط اور ایک ایسا گیت سنا کہ فرشتے بھی آسمان کی کھڑکیاں کھول دیں۔

(شارمین یہ گیت گاتی ہے)

پل پل تارے ٹوٹ رہے ہیں کیوں تیرے تیرے

— آہ! غریب آنر میں مر گئی۔ شہر میں لایہ ٹوکری مجھے دے۔
میرے کنبیز میری راہ دیکھتی چو گی۔ میں اسے زیادہ دیر تک انتظار
میں نہیں رکھنا چاہتی۔ آہ! ان نازنجیوں کی خوشبو کتنی پیاری ہے۔

(وقفہ)

سورج غروب ہو رہا ہے۔ کالی گھٹائیں چھا رہی ہیں
میں دعا مانگنا چاہتی ہوں شہر میں۔ میں دعا مانگنا چاہتی

ہوں۔

لیکن مجھ سے تو سارے دیوتا ناخوش ہیں۔
(دور سے عبادت گاہوں سے غوغائی اور نرسنگے کی ہلکی
ہلکی آواز آتی ہے)

قلو پطرہ ۱۔ آہ — یہ نرسنگے اور ترمیمی کی دھیمی دھیمی آواز
کتنی خوشگوار ہے — آج دریا سے میل بھی کھٹنا
نکھرا ہوا ہے — شہر میں میری جھپٹ کی ساری
داستانیں اساد میرا کی لہروں میں لپٹی ہوئی ہیں۔

— الوداع خیل کی بل کھاتی ہوئی لہروں الوداع —

— بدھیت کے خیل کے پچھلے پچھلے داسے سورج
الوداع — ریگستان میں لہرائی ہوئی گنگوٹری لہروں الوداع
— مجبور کے لالچے لالچے درختوں میں اسلام قبول کرو
— گھاس کی کالہتی ہوئی پتیو میرا سلام لو — قلو پطرہ
زندگی سے پیار ضرور کرتی ہے — پر موت سے ڈرتی

نہیں — موت آہ! ایسے حالات میں موت کا ذائقہ کتنا
شیریں ہوتا ہے۔

(ٹوکری کاڑھکنا کھولتی ہے۔ سانپ اسے بوستا ہے)

شہر میں الوداع —

(قلو پطرہ ملکہ مصر میں پر عمر بڑھتی ہے)

نیپولین کی موت

سن اٹھارہ سو اکیس اپریل کی انہیں تاریخ۔۔۔ رات کے دو بجے ہیں۔ لائنگ وڈ کے سوارے کوئی جاگ رہے تھے۔ سب باری باری اس آٹومبیل کی تیمارداری کر رہے ہیں جو بستر پر اپنے آخری سانس لے رہا تھا۔ شہنشاہ نیپولین جس نے ایک بار کہا تھا کہ میں وہ چٹان ہوں جیسے فضا میں پھینک دیا گیا ہو۔ بحرا و قبلاں کے ایک چھوٹے چابوتے پر لیٹا ہوا بستر پر پرٹا ہے۔ موت کے سب سے بڑے بیوہ باری کے سر ہانے اس کی اپنی موت گھڑی ہے۔ یورپ کے اس عالی وقار حکمران پر ہریان کی کیفیت ظاہر ہے۔

نیپولین: (ہدیائی کیفیت میں) — ڈاکٹر بیکسٹر — ڈاکٹر بیکسٹر — کہاں ہے ڈاکٹر بیکسٹر — تم آگئے — کہاں ہو تم

— ادھر آؤ ڈاکٹر — ادھر آؤ —

مارشالان: عالی جاہ — ڈاکٹر بیکسٹر یہاں نہیں ہیں۔۔۔۔۔

عالی جاہ!

نیپولین: ڈاکٹر تم میری کیوں نہیں مانتے۔ ہم بیمار ہیں سمجھو بیمار ہیں۔ کتنے تعجب کی بات ہے! ہم بیمار ہیں۔ یہ دیکھو ہماری بیماری کے متعلق چھپے ہوئے بلٹین۔ کیا اب بھی یقین نہیں آیا۔ کیا تمہیں قید خانے کے دروازے نے ہماری نگرانی کے لئے نہیں بھیجا — ہمیں تمہاری بات سنانی نہیں دیتی۔
فرار اور بچو۔۔۔ ڈاکٹر بیکسٹر۔۔۔۔۔

مارشالان: عالی جاہ! زیادہ گفتگو نہ کریں۔ ڈاکٹر بیکسٹر انگلستان چلے گئے ہیں۔

نیپولین: تم ٹھیک کہتے ہو۔ تم — ٹھیک — کہتے ہو۔ (آواز دھیمی ہو جاتی ہے۔)

(مارشالان اور انظر مارشے آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہیں)

مارشالان: رات بھر ڈاکٹر بیکسٹر کو بلاتے رہے ہیں۔ انظر مارشے: تعجب کی کوئی بات نہیں۔ شہنشاہ کو ڈاکٹر بیکسٹر سے نفرت ہے اور بعض کی رفتار ایک سو ساٹھ ہے۔

(نیپولین بڑبڑاتا ہے)

نیپولین: انظر مارشے تم ہی ڈاکٹر بیکسٹر سے کہو کہ ہم بہت بیمار ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں۔ ہم بہت تکلیف برداشت

گمراہ ہے ہیں۔ کوئی ڈاکٹر بیکسٹر تک ہمارا پیغام کیوں نہیں پہنچاتا۔۔۔ اومیر کا تم سن رہے ہو ہم کیا کہتے ہیں، ہم یورپ میں ہیں۔۔۔ یورپ۔۔۔ سارا یورپ سمٹ کر ہمارے اندر سما گیا ہے۔ فرانس کی شکست ناممکن ہے۔ ہمارے جانناڑ سپاہی آخر دم تک لڑیں گے اور فتح ان کی ہوگی۔
 — (دیوانہ وار ہنستا ہے) —

شکست ناممکن ہے۔ ناممکن ہے۔ (سہم کر) پر یہ لوگ کیوں آگے بڑھ رہے ہیں۔ یہ یہ کون ہیں جو گدھوں کے مانند منڈلا رہے ہیں۔ (بلند آواز میں) ڈاکٹر بیکسٹر تم ہمارا علاج کیوں نہیں کرتے۔ آہ! لیکن ڈاکٹروں اور جرنیلوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کی غلطیوں سے قبرستان آباد ہوتے ہیں۔ اور بیکسٹر جیسے کئی ڈاکٹر میں نے مولیر کے مزاحیہ ڈراموں میں دیکھے ہیں۔ ڈاکٹر اومیر کہاں ہے ادھر آؤ۔ (نبیلین جواب کے انتظار میں خاموش ہو جاتا ہے)

مارشالان۔ (دبے لہجے میں) عالی جاہ اخاموش رہیں۔ یہاں نہ ڈاکٹر بیکسٹر ہے اور نہ ڈاکٹر اومیر۔ آپ آرام فرمائیں۔
 نبیلین۔ بتاؤ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یورپ کی بساط سیاست ہم کبھی لٹنے نہیں دیں گے۔ ڈاکٹر بیکسٹر رحم بتاؤ ہمیں اب کیا کرنا ہے؟

— (ہنستا ہے) — تم سیاست سے بالکل کورے ہو۔ سپاہیانہ جوش بھی تمہارے اندر موجود نہیں۔ ادھر

خاموش کیوں کھڑے ہو۔ ہماری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے ہم پوچھتے ہیں روس کے میدانی علاقوں میں ہماری فوجوں کا گزر کیوں ممکن نہیں۔۔۔ نبیلین ٹھوس چٹانوں میں اصرار کر سکتا ہے۔ کیا یہ بھروسہ ہے۔

مارشالان۔ عالی جاہ!!! انطومار شے اب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔ مجھ سے شہنشاہ کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔
 — عالی جاہ اخاموش رہیں، زیادہ نہ بولیں — آپ سحر تکلیف ہوگی۔

(نبیلین بڑبڑاتا ہے)

نبیلین۔ تکلیف۔ تکلیف۔ مقابلہ کرنا ہے۔
 ہمیں بہت سے مقابلے کرنا ہیں۔
 (دوسرے روز)

مارشالان۔ عالی جاہ ارامت بہت دیر تک آپ کے دشمنوں کی طبیعت خراب رہی۔

نبیلین۔ (ہنستا ہے) دشمنوں کی۔۔۔ مارشالان اب ہم بالکل ٹھیک ہیں صرف تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ بدن دکھ رہا ہے۔ مارشالان۔ بیماریاں جنگ سے زیادہ کڑی ہوتی ہیں۔
 مارشالان۔ عالی جاہ! آپ کی پسندیدہ شراب کا ایک جام حاضر ہے نوش فرمائیے گا؟

نبیلین۔ ضرور۔ ضرور۔
 (مارشالان شراب کا جام پیش کرتا ہے)

نیپولین :- (پینے کے بعد) کتنی فرحت بخش ہے۔ کتنی اچھی ہے۔
مارشان :- عالی جاہ! اکثر انطو مارشے تشریف لائے ہیں۔
آپ کی خیریت دریافت کرنے کے لئے۔

نیپولین :- ہم سب جانتے ہیں۔ وہ کس لئے آیا ہے۔ مارشان اس سے کہہ دو ہم دوا ہرگز نہیں پئیں گے۔ یہ چندہ میں ہمارے مزاج کے موافق نہیں ہیں۔

انطو مارشے : صبح بخیر عالی جاہ!

نیپولین :- آہ — تم آگئے — آؤ — آؤ — لیکن ہم دوا وغیرہ کی کوئی نہیں منیں گے۔

انطو مارشے :- پلستر کوئی دوا نہیں عالی جاہ!

نیپولین :- پلستر — پلستر — یہ اب نئی بلا کیا آتی ہے؟
انطو مارشے : کچھ نہیں عالی جاہ! صرف حضور کے پیٹ اور ہینڈ لیوں پر مجھے دو پلستر لگانے ہیں۔ ان سے آپ کو فائدہ ہوگا۔ تکلیف بہت کم ہو جائے گی۔

نیپولین :- یہ سب واہیاں جینوں میں ہیں۔ ہمیں ان پر کوئی اعتقاد نہیں۔ یہ تمہارا طب و سبب ہو اس سے۔

انطو مارشے : مگر عالی جاہ! ان پلستروں کا لگانا بہت ضروری ہے۔
نیپولین :- (تنگ آکر) بہت ضروری ہے تو لگاؤ۔ ایسا ہی سہی۔ مگر میں یقین ہے کہ ان سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔
— ہمارا آخری وقت قریب آگیا ہے۔ اس لئے ہم ضد نہیں کرنا چاہتے۔ چلو لگاؤ پلستر، یہ جلد بھی کر کے دیکھ لے۔

انطو مارشے :- اور دوا کی چھوٹی سی خوراک۔۔۔

نیپولین :- (بگڑ کر) چھوٹی ہو یا بڑی ہم ہرگز نہیں پیئیں گے۔
تمہیں صرف پلستر لگانے کی اجازت ہے دوا ہم نہیں پیئیں گے۔

انطو مارشے :- عالی جاہ!

نیپولین : مارشان۔

مارشان : جہاں پناہ!

نیپولین :- ہم چشمے کا پانی پینا چاہتے ہیں۔

مارشان :- ابھی حاضر کرتا ہوں عالی جاہ!

انطو مارشے : حضور اجازت دیں تو میں پلستر تیار کروں؟

نیپولین :- تمہیں اجازت ہے۔ لاؤ مارشان پانی لاؤ۔

(مارشان پانی کا گلاس دیتا ہے)

نیپولین :- (دیکھ کر اس پانی نے کتنی فرحت بخشی ہے، میں ہم تمہارا

شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ مارشان دیکھو، اگر میں وہاں مرنے

کی اجازت دے دی گئی، جہاں کہ ہم پیدا ہوئے تھے تو ہمیں

اس جگہ کے پاس دفن کرنا جہاں سے یہ پانی لایا گیا ہے۔

لکھو — لکھو — جو کچھ ہم کہتے ہیں لکھو — جو کچھ ہم

کہتے ہیں لکھو — فوراً لکھو — (لہجہ تمکداز ہو جاتا ہے)۔

— ہم کہتے ہیں لکھو — سنئے ہو مو منتھولون۔

مونٹھولون :- عالی جاہ! (کانپتی ہوئی آواز میں)

عالی جاہ :-

نیپولین :- ہم کہتے ہیں لکھو۔ ہم بولتے جاتیں گے تم لکھتے جاؤ۔

— (زوردار آواز میں) لکھتے ہو یا نہیں۔

(مونتھولون کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کاغذ اور قلم پکڑ رہا ہے)
مونتھولون: (گھبراہٹ میں) لکھتا ہوں عالی جاہ — میرا قلم
کہاں ہے — شہر تیرے میں شمع روشن کر دوں۔
— وقف —

ارشاد۔

نیپولین: دشمنی فرانس پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ مونتھولون
(سخت لہجہ میں) سنتے نہیں۔ ایک آندھی سی اٹھتی دکھائی دے
رہی ہے ہیں۔ ایک طرف ان سناٹا اچلا آ رہا ہے ہمارے
وطن کی جانب۔ اٹھو اٹھو دکو اسے۔ فرانس کے بہادر
سپوتو، سیمہ پلائی دیوار بن جاؤ۔ دیکھو تمہاری آزادی
سلب نہ ہونے پائے۔ دشمن کو اپنے پاؤں تلے روند
ڈالو۔ علف اٹھاؤ۔ اپنے شہنشاہ کے روبرو علف
اٹھاؤ۔ حسن و عشق سے بیگانگی۔ از دو اجماع زندگی
سے پرہیز رحم و استرحام سے نا آشنائی۔ رات کی
سیاہی اور رن کے اجالے میں تلواروں اور بندو قوں کا
بے خوف استعمال۔ امید؟ خوف اور مستقبل سے
بے نیازی۔ قتل اغارت گری! انتقام!! حتیٰ کہ تمہارا
وطن دشمن کے وجود سے پاک ہو جائے۔ لکھ رہے ہو
مونتھولون؟

مونتھولون: لکھ رہا ہوں عالی جاہ۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔

نیپولین: یاد رہے کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی جو کہ زندہ رہنے کا
صلیقہ نہ جانتی ہو جیسے کاسلیقہ موت سے سیکھو۔ میدان جنگ
کی خون آلود گھاٹیوں سے حاصل کرو۔۔۔۔۔ لہو۔۔۔۔۔ لہو
لہو۔۔۔۔۔ رگوں سے لہو بہنے دو۔ اس لئے کہ یہ پیرا ہی اس
لئے ہوا ہے کہ بہے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اور خون کے دو قطرے
جو وطن کی عزت و ناموس بچانے کے لئے تمہاری رگوں سے
نکلیں گے۔ فتح و نصرت کی دہن انہیں اپنا سب سے قیمتی
زیور بنا کر رکھے گی۔ فرانس۔ فرانس۔ نیپولین اعظم
کی جوانی کا سب سے حسین خواب دنیا کی انگوٹھی میں سر سے
درخشاں نگینہ۔۔۔۔۔ خبردار جو کسی نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر
دیکھا۔ اٹھو اٹھو اور سارے فرانس میں فوجوں کا مہال بچھاؤ
اور۔۔۔۔۔ اور ڈاکٹر بیکسٹر تم کہاں ہو۔۔۔۔۔ مارشان۔
مارشان۔ دیکھو لوگ ہم پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ وہ
ہمیں موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہیں۔ انقلاب کو
فنا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنی حفاظت کریں گے اس لئے
کہ انقلاب ہم ہیں۔ نیپولین اعظم ہی انقلاب ہے۔ نیپولین کا
دبدبہ۔۔۔۔۔ نیپولین کا دبہہ۔۔۔۔۔ لکھو لکھو مونتھولون تمہارا قلم
ہمارے خیالات کا ساتھ نہیں دیتا۔

مونتھولون: عالی جاہ الکر رہا ہوں۔

نیپولین: رکو نہیں مونتھولون۔ لکھتے جاؤ۔ تم جانتے نہیں
یورپ کی تقدیر میں ہم۔۔۔۔۔ آہ۔۔۔۔۔ آزادی۔۔۔۔۔

کس قدر اونچا ہے وہ انسان جو آزاد ہو اور کس قدر نیچے گر جاتا ہے۔ جب وہ غلام ہو جاتے۔ فرانس کبھی غلام ہو جاتے۔ فرانس کبھی غلامی قبول نہیں کرے گا۔ کبھی نہیں کرے گا۔ لیکن (نیپولین کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے)۔۔۔۔۔ نہیں نہیں ہم چشمہ کا پانی پیتے گئے۔ تم لوگ میدان جنگ میں کیوں نہیں جاتے۔ لکھو۔ لکھو۔

مونٹھولون بد حالی جاہ اب مجھ سے نہیں لکھا جاتا۔

مارشان: آپ آرام فرمائیے عالی جاہ! نیپولین: (تھکے ہوئے لہجے میں) آرام۔ آرام۔۔۔ کیسا آرام (دبڑھاتا ہوا خاموش ہو جاتا ہے) مونٹھولون: (مارشان سے) خدا کرے کہ اب ان کا آنکھ لگ جائے۔

مارشان: معلوم ہوتا ہے تکلیف بہت زیادہ ہے۔ ابھی صبح ہوئے ہیں کئی گھنٹے باقی ہیں۔

(نیپولین بڑبڑاتا ہے الفاظ سمجھ میں نہیں آتے)

مونٹھولون: آہستہ بولو مارشان۔ حضور سو رہے ہیں۔

(چند لمحات کے لئے خاموشی طاری ہو جاتی ہے)

مارشان: مونٹھولون۔ مونٹھولون (مضطرب ہو کر) دیکھو شہنشاہ۔۔۔۔۔ تکئے کے نیچے کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔

نیپولین: میرا بیٹا کہاں ہے۔ میرا بیٹا کہاں ہے۔

تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ میرا بیٹا۔۔۔۔۔ مارشان۔ مارشان۔۔۔۔۔ تصویر لاد۔ میرے بیٹے کی تصویر کہاں ہے؟ مارشان: عالی جاہ! تصویر وہ سامنے لٹکی ہے۔ آپ لیٹ جائیے آرام فرمائیے۔

نیپولین: ہاں۔ ہاں۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا بیٹا ہے۔ (چوتھے روز)

مونٹھولون: مارشان۔ آج عالی جاہ کی طبیعت میں کچھ سکون ہے۔ مارشان: یہ سکون ہی تو مجھے کسی زبردست طوفان کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ڈر ہے۔

(نیپولین اٹھ کر زور سے گرتا ہے)

نیپولین: اگر روسوند ہوتا تو فرانس میں انقلاب برپا نہ ہوتا۔ نیپولین نہ ہوتا تو نقش کہن کو مٹانے کا خیال پیدا نہ ہوتا۔ مارشان!

مارشان: عالی جاہ!

نیپولین: طوولون کا محاصرہ ہو رہا ہے۔ اُف۔ میری ٹانگ پر گہرا زخم آیا ہے۔ یہ ٹوکڑ کیا بکواس کر رہا ہے کہ ہمیں بستر میں آرام کرنا چاہئے۔ زخمی ٹانگ کے لئے ہم اپنا دقار زخمی کرالیں ہرگز نہیں۔

سنوڈاکٹر: ہمارا ٹانگ کو کچھ بھی نہیں ہو گا۔ قطعی طور پر کچھ نہیں ہو گا۔ کچھ ہو ہی نہیں سکتا کل یا پرسوں

طولوں پر ہمارا بھنڈا لہرائے گا۔ طاقت۔ طاقت۔ اور طاقت۔ ہم طاقت چاہتے ہیں۔ وہ طاقت جسے ہم نے اتنے برسوں سے اپنی داہشتہ بنا رکھا ہے ہمیں طاقت سے محبت ہے جس طرح موسیقار ساز سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح ہم طاقت سے محبت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم اس ساز سے جیسا نغمہ چاہیں نکال سکتے ہیں۔ یہ پوپ ہمارا حکم کیوں نہیں مانتا۔ ہماری خواہش ہے کہ وہ ہمارے احکام مانے۔ اس لئے کہ ہم سیاسی دنیا کے علاوہ مذہبی دنیا پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری طاقت، ہماری عظمت، ہمارے وقار سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کسی کو انکار کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں خدا کی طرف سے ہیں دی گئی ہیں۔ پانچ برس میں ساری دنیا پر نہو لیکن اپنے نقش قدم چھوڑ جائے گا۔ (دربار آواز میں)۔ یہ کس نے کہا ہے کہ یہ سراسر دیوانگی ہے۔ (بستر پر سے کود پڑتے ہیں)

مارشال: مونتھولون۔ برٹرین۔ دوڑو۔ عالی جاہ کو کچھ ہو گیا ہے۔ (نپولین مارشال کو گلے سے پکڑ لیتا ہے اور باتا ہے)

مارشال: (بھینچتی ہوئی آواز میں)۔ عالی جاہ۔ عالی جاہ۔ مونتھولون مجھے بچاؤ۔ (دو میں آدمی مل کر مارشال کو نپولین کی گرفت سے پھڑپھڑاتے ہیں) اور بستر پر

(آواز دیتے ہیں)

مارشال: (دیکھتا ہے) اُف۔ کتنی زبردست گرفت تھی۔ نپولین: مارشال! مارشال: عالی جاہ!

نپولین: فرانس کے بہادر جرنیل ویسے اسٹینگل اور منیا کی فتح قریب ہے۔ دوڑو۔ بھاگو۔ بریگیڈ نمبر پچھتیس چلو فتح تمہاری ہے خبردار جو کسی کے قدم پیچھے ہٹے ہیں۔ ہیں ایک لاکھ آدمیوں کی ضرورت ہے۔

ایک لاکھ بہادروں کی جو ہماری سرکردگی میں آ رہی ہیں کر دنیا پر چھا جائیں۔ ایک بار پھر جنگ کے شعلے لگیں۔ ایک بار پھر اقوام عالم کی سیاست ہمارے حضور میں لائے۔ ایک بار پھر فتح و نصرت ہمارے قدم چومے۔ (جوڑ میں آکر)۔ پورے زور سے حملہ کرو۔ ساری دنیا ہماری ہے بڑھو۔ بڑھو۔

مارشال: عالی جاہ۔ دیکھو۔ مونتھولون کہیں گے نہ جاتیں۔ کہیں چوٹ نہ آجائے۔

مونتھولون: زور سے پکڑ رکھو۔ زور سے مارشال۔ نپولین: (تھک کر) بڑھو۔ بڑھو۔ بریگیڈ نمبر ۳۶۔ بڑھو۔ بڑھو۔ (آواز کمزور تر جاتی ہے)

مونتھولون: میں اب چھوڑ دو۔ آرام کرنے دو۔ (چند لمحات خاموشی طاری رہتی ہے)

نیپولین: (بڑے رستم انگیز ایسے ہیں) — ماں — ماں —
— تم کہاں ہو؟

جب شہنشاہ کی حالت نازک بیان کی گئی تو سینٹ ہلینا کے گورنر ہڈسن لو کو بہت فکر لاحق ہوئی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا شاہی قیدی مرجائے۔ وہ نیپولین کی جان بچانے کے لئے بہت کچھ کوشش کرنے کو تیار تھا۔ چنانچہ فوراً اس نے چارطبیبوں کی ایک مجلس قائم کی تاکہ مریض کی جان بچائیں۔

آرنسٹ: میری رائے ہے کہ انہیں تھوڑا دودھ دیا جائے آپ کا کیا خیال ہے ڈاکٹر بریڈرین؟
بریڈرین: ڈاکٹر انطو مارشے سے پوچھتے۔
انطو مارشے: جہاں تک مجھے علم ہے شہنشاہ کبھی دودھ نہیں پی سکے۔ ایسی حالت ہیں۔۔۔۔۔

آرنسٹ: لیکن حضرت دودھ تو غذائیت سے بھرپور ہے۔ کیوں نہ امتحاناً پلا کر دیکھیں۔

انطو مارشے: میں اس کے خلاف ہوں۔ شکمی مرض میں دودھ کی ممانعت ہے اس لئے کہ یہ زود ہضم نہیں ہوتا۔

شادوٹ: یہ بحث مباحثہ فضول ہے جب تک مریض کا معائنہ نہ کیا جائے۔ کوئی رائے نہیں دی جاسکتی۔

بریڈرین: میں اندر جا کر شہنشاہ سے دریافت کرتا ہوں۔ کہ

شاید وہ آپ لوگوں کو معائنہ کی اجازت دے دیں۔

(بریڈرین اندر شہنشاہ کے پاس جاتا ہے)

بریڈرین: عالی جاہ! — ڈاکٹر حاضر ہوئے ہیں — آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

نیپولین: ڈاکٹر — ملاقات — (باخبر ہو کر) تو ہمارا آخر کا وقت قریب آگیا۔

بریڈرین: نہیں عالی جاہ! حضور کی حالت نازک ہے۔ مگر خطر ناک نہیں۔ ہم صرف احتیاط کے طور پر کچھ کرنا چاہتے ہیں۔

نیپولین: نہیں۔ ہم ان سے ملاقات نہیں کریں گے۔

بریڈرین: عالی جاہ!

نیپولین: (تکمانہ لہجے میں) بریڈرین۔

بریڈرین: بہت اچھا عالی جاہ!

(بریڈرین واپس جاتا ہے)

صوفتھولون: کیوں کیا خبر لائے؟

بریڈرین: شہنشاہ نے ملاقات سے انکار کر دیا ہے۔

آرنسٹ: ان کی حالت بہت نازک ہے صاحبان! بے حد

خطر ناک ہے لیکن ہمیں ناامید نہیں ہونا چاہئے کوئی اور

تدبیر سوچنا چاہئے۔

انطو مارشے: میرا خیال ہے کہ شہنشاہ کے معدے میں رسوبی

نہیں ہے۔ صرف ورم ہے۔ مرض کا اصلی مرکز جگر ہے۔

بڑے بڑے صاحبان آپ سے میری درخواست ہے کہ جلد کسی نتیجہ پر پہنچ کر علاج شروع کر دیا جائے۔ ایک ایک لمحہ اس وقت بہت قیمتی ہے۔

آئرن ٹیبلٹ: لیکن مصیبت یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت ہی نہیں دیتے۔ جب مریض اپنے طبیب کو پاس تک پہنچنے دے تو علاج کیا خاک ہو گا۔

انٹو مارشیل: میری ہدایات پر انہوں نے کبھی عمل نہیں کیا۔
چکل: صاحبان میری رائے ہے کہ کنگڑا جلایا جائے۔ اس سے ضرور افاقہ ہو گا۔

آئرن ٹیبلٹ: آپ کا خیال صحیح ہے ڈاکٹر چکل۔ دس گرین کیلورمل ٹھیک رہے گا۔

انٹو مارشیل: لیکن میرا خیال ہے صاحبان کہ پارہ کسی شکل میں بھی شہنشاہ کے مزاج کے موافق نہیں آئے گا۔

مونٹھیولون: لیکن سوال پھر وہی پیدا ہوتا ہے کہ انہیں دوا کیسے پلائی جائے۔ صرف ایک ہی راستہ ہے کہ مارشال پانی میں دوا ملا کر انہیں پلا دیں (مارشال سے) عالی جاہ کو بچانے کے لئے اب یہ آخری میلہ ہے۔

(چوتھے روز)

نیپولین: مونٹھیولون۔ تم ہمارے پیٹھ پر ادھیڑی۔ کلون کے مالش کرنا چاہتے ہو تمہیں اجازت ہے (خود معنی انداز میں) سائنس نے علاج معالجہ کے طریقوں میں کتنی ترقی

پیدا کر دی ہے تم کہتے ہو۔ اس سے گردوں کو تقویت پہنچے گی اور پہنچاؤ تقویت گردوں کو مارشان۔

مارشان: عالی جاہ!

نیپولین: پینے کے لئے پانی۔

مارشان: (پانی انڈیلتا ہے) — حاضر ہے، — عالی جاہ!

نیپولین: انٹو مارشیل پانی جاتا ہے۔ دوا کا ذائقہ محسوس کرتا ہے۔ پھر بڑے دردناک لہجے میں کہتا ہے: ارشاد! تم بھی یہیں دھوکہ دے گئے۔

مارشان: (زندہ امت بھری آواز میں) معافی چاہتا ہوں عالی جاہ!

نیپولین: سادہ پانی کا ایک گلاس۔

مارشان: (پانی انڈیلتا ہے) — حاضر ہے، — عالی جاہ!

نیپولین: (دنی کرنا کتنا اچھا ہے — کتنا اچھا ہے — شاید یہ ہمارا آخری گلاس ہو — مونٹھیولون، ہم بس اب چند دنوں کے مہمان ہیں — سینٹ پلیناکا مہمان بہت جلد موت کا مہمان ہو گا — تم لوگوں نے اس بلاؤ کو مٹا دیا)

ہمارا ساتھ دیا ہے ہم تمہارے ممنون ہیں اور خواہش کرتے ہیں کہ ہماری یاد تمہارے دلوں میں دیر تک قائم رہے۔ دیکھو کوئی ایسی بات ذکر نہ کریں جس سے ہماری یاد کو بھٹ

ہنپے (موتھو لوٹوں اور مارشان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں)

نیپولین :- بزدل نہ بنو — بزدل نہ بنو — (پانچویں روز جب کہ سینٹ ہلینا میں زبردست طوفان آرہا تھا)

نیپولین :- سینٹ ہلینا میں طوفان آرہا ہے۔ نیپولین چودا ایک طوفان تھا جو سارے یورپ پر بھایا رہا۔ (ہدایتی کیفیت شدت اختیار کرتی جاتی ہے) یورپ میں شراب پسند حکمرانوں کا تسلط مٹ چکا ہے ایک نیازماد کروٹ بدل رہا ہے نیپولین کی طاقت کے سامنے سرنگوں ہو جاؤ۔ وہ غلط اٹلی ہے طاقت اور حکومت کا سرچشمہ ہے زندہ باد نیپولین یونا پارٹیا پانچہ باد انقلاب ابزادت صرف تمہاری وجہ سے پورا ایک دن ضائع ہو گیا ہے، بعد ایک دن۔ تمہیں جانتا چاہیے کہ ساری دنیا کی قسمت صرف ایک دن سے وابستہ ہے۔ تیلی رین روس کے ساتھ عہد نامے کا مسودہ تیار کرو کیا کہا۔ اتنی جلد ہی کیا ہے تیلی رین! مجھے صرف ایک روس سے نہیں اور بہت سے ملکوں سے نہیں ہے۔

موتھو لوٹوں: (دوبے لہجے میں) مجھے آثار اچھے نظر نہیں آتے مارشان۔

مارشان :- (آہ بھرتا ہے)

نیپولین :- جوزفائن — جوزفائن — میرے پاس آؤ۔ جب سے تم جدا ہوتی ہو میں غمگین رہتا ہوں۔ میرے حافظہ

میں تمہارے بوسے اور تمہارے آنسو چمک رہے ہیں صرف تمہاری خاطر میں نے اٹلی پر فتح حاصل کی صرف تمہاری خاطر میں نے دشمنوں کے اکسین جھنڈے پھینے۔ جوزفائن — جوزفائن تم بے وفائیاں، تم نے اپنے عاشق سے دغا کیا۔ تمہاری بے وفائیاں نے کئی بار یورپ کے فاتح اعظم کی آنکھیں نمناک کی ہیں۔ آہ! میری دیلیو سکاتم عورت نہیں، فرشتہ ہو تمہاری وفا شعار یوں نے میں بہت متاثر کیا ہے۔ خدا کی قسم ہم اس عورت کو عزیز سمجھتے ہیں۔ جو ہمارے جلال سے نہیں بلکہ ہم سے محبت کرتی تھی۔۔۔

(وقفہ)

نیپولین: (جوش میں) تمام طاقتیں اکٹھی ہو جائیں — میدان ہمارے ہی ہاتھ رہے گا۔ فرانس کا جھنڈا ہمیشہ بلند رہے گا۔ اسٹریا کی فوجوں کو ہم نے شکست دی۔ سیریا اور مصر کا میدان ہماری بہادر فوجوں نے جیتا۔ اٹلی کی فوجوں کو ہم نے پسپا کیا۔ اٹلی — اٹلی — اور اپنے وطن پر قربان ہو جاؤ۔ اپنے وطن کی حفاظت کرو۔ ہمت نہ ہارو۔ فرانس کو بچاؤ قسمت و سمت کچھ نہیں محض دھکیلو سکہ ہے۔ صرف موقع دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ موقع سے فائدہ اٹھاؤ۔ دنیا تمہاری ہے۔ سیدھی لکیر ہمیشہ سیدھی لکیر سے چھوٹی ہوتی ہے۔ نیپولین۔ سیدھی لکیر ہے۔

(طوفان کی شدت بڑھ جاتی ہے)

میرٹھ ہولین ۱۔ مارشان — مدد — مدد — عالی جاہ!
 نیپولین ۲ سپاہیوں آگے بڑھو — فرانس — فرانسیسی فوج —
 سالار جنگ — (آہستہ آہستہ نیپولین کی آواز ڈوب جاتی
 ہے، طوفان کا شکار ہلکا ہو کر غائب ہو جاتا ہے)

مرنے وقت بھی اس کی زبان پر اپنے پیارے وطن کا نام تھا۔
 اسے فرانس سے محبت تھی۔ اس کے ہر ذرے سے پیار تھا۔
 اس نے فرانس کی مردہ قوم میں زندگی کی روح پھونکی۔ اس کو منظم
 کیا۔ یورپ میں اس کے ہر قدم سے آندھیاں اٹھیں۔ طوفان
 آئے۔ اس کے آفتاب اقبال سے سیاست کی آنکھیں چندھیا گئیں۔
 وہ یورپ میں ایک عرصہ تک دہشت بن کر پھرایا رہا۔
 ۱۸۷۱ء کو نیپولین بونا پارٹ فاتح اعظم چھ بجنے میں اکیس
 منٹ پر اس جہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔

بابر کی موت

اسٹیج پر ہر روز ڈرامے کھیلے جاتے ہیں مگر ان میں سے کتنے فحش
 لحاظ سے مکمل ہوتے ہیں؟ — دراصل خامکاری اسٹیج کا ایک قانون
 ہے۔ اگر کسی ڈرامے کا پہلا ایکٹ شاندار ہے تو اس کے آخری ایکٹ
 پہلے ایکٹ کی شان کے قدموں میں دم توڑتے نظر آتے ہیں۔ اگر کسی
 ڈرامے کا انجام اچھا ہے تو آغاز بُرا ہے۔

کلائمکس ہے تو سسپنس نہیں ہو گا اگر سسپنس ہے تو کلائمکس
 نظر نہیں آئے گا۔ اچھے کردار نظر آتے ہیں گے، جو بڑے بڑے
 مراحل آسانی کے ساتھ طے کریں گے۔ مگر چھوٹی چھوٹی مشکلات کا
 مقابلہ کرتے وقت ان کی پیشانی پسینے سے بھر جائے گی۔ — منطق
 اور استدلال تیسریوں کے مانند آپ کو ان ڈراموں میں اڑتے نظر

آئیں گے۔

ڈرامہ نویسوں میں شاید سب سے زیادہ خاموشی ان ڈراموں میں پائی جاتی ہے جو تاریخ نے لکھے ہیں۔ تاریخ ڈرامے کے تمام محرقات و محاطات پر بہت کم غور کرتی ہے۔ اپنے ڈراموں کے ابواب پہ بھی تاریخ فرداً فرداً نہیں سوچتی۔ لیکن اگر اس کے قلم سے کوئی اچھا ڈرامہ نکل جائے، تو صدیوں تک اس کی دھوم مچ رہے گی۔

یہ ڈرامہ جو اب آپ پڑھیں گے تاریخ کا ایک مکمل ڈرامہ ہے۔ منظر ہندوستان کا ہے۔ پلاٹ ہے دنیا کو فتح کرنے کا خیال۔ ہیرو ہے بابر شیر فرغانہ۔ ایک بہت بڑی سلطنت کا خالق۔ مغلیہ خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ۔

(پہرہ اٹھتا ہے)

بابر: (خط لکھواتا ہے) خواجہ کیلان کو لکھو اگر ماہ دولت کی ہدایت پر عمل نہ کیا گیا، اگر ہمارے احکام کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ اگر خزانے کی حالت درست نہ ہوئی، اگر کسانوں کی بد حالی دور نہ ہوئی تو اس کی ساری ذمہ داری اس کے سر ہوگی۔ کابل میں اگر ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ پانچ چھ آدمی بیک وقت حکومت کرنا چاہتے ہیں۔

میر منشی: لکھ لیا جہاں پناہ!

بابر: اس کو یہ بھی لکھو کہ وہ شہر کو بہتر بنانے کی کوشش کرے۔ قلعہ کی چار دیواری ہی میں محل کی عمارت سما جانی چاہئے۔

جو معمار اس محل کو بنارہا ہے وہ یہاں آگرے سے ہمارے بھیجے ہوئے آدمی کے ساتھ محل کے نقشوں کی بابت مفصل گفتگو کرے اور اس سے مشورے لے۔ شاہی باغات میں پانی کا انتظام اور اچھے پیمانے پر ہونا چاہئے۔۔۔۔۔ روشوں میں رنگانگت ہو۔۔۔۔۔ کیاریوں میں پھول ایسے لگائے جائیں جن میں خوشبو ہو۔

میر منشی: لکھ لیا ظل الہی!

بابر: (شہلتا ہے) آہ کابل۔۔۔۔۔ ہمیں اس سرزمین سے کتنا پیار ہے۔ کابل کے سردے۔۔۔۔۔ ان کی مٹھاس۔ ان کا رس۔۔۔۔۔ میر منشی!

میر منشی: ارشاد عالی جاہ!

بابر: خواجہ کیلان ہمارا دوست ہے۔ اس کو کبھی کبھی ہم اپنے دل کی باتیں بھی سنایا کرتے ہیں۔ اس کو لکھو بابر بادشاہ کی روح اپنے وطن کو دیکھنے کے لئے بیتاب ہے یہ ہندوستان کا کام ہم قریب قریب ختم کر چکے ہیں۔ جب پوری طرح ختم ہو جائے گا تو ہم فوراً ہی اپنے پیارے وطن کابل کا رخ کریں گے۔ آہ! ہمیں کابل سے کتنی محبت ہے۔ کابل۔ کابل۔

(شہلتا ہے پھر آہ بھرتا ہے)

بابر: کابل۔ پچھلے دنوں بھی سردے پیش کئے گئے۔ خدا گواہ ہے یہ سردے دیکھ کر ہمارے آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ طبیعت اور اس ہوگئی۔۔۔۔۔ یہ کبھی واقعہ ہے کہ جب سے ہم نے شراب

چھوڑی ہے ہماری طبیعت اکثر اس رہتی ہے۔ لیکن خدا کی
مہربانی ہے کہ اس کی طلب دان بدن کم ہوتی چلی جا رہی ہے۔
خواجہ کیلان سے کہو کہ ہمارے نقش قدم پر چلے۔ شراب چھوڑ دے۔
اس حرام شے کو ہاتھ نہ لگائے۔ (ٹھہرتا ہے۔۔۔) لکھ چکے؟
میر منشی! ہاں عالی جاہ!

بابر:۔ تو آخر میں اس کو تائید لکھ دو کہ وہ ہمارے حرم کی تمام
عورتوں کو اور ہماری بہنوں کو حفاظت سے یہاں بھجوادے۔
وہ عوام کے حالات سے بہت زیادہ دلچسپی لینا چاہتی
ہیں جو کہ ہم عورتوں کے لئے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

یہ خط لکھوانے کے فوراً بعد ظہیر الدین بابر بادشاہ کو میدان
جنگ میں جانا پڑا۔ گنگا کے اس پار کی سلطنت میں جو کچھ ہو رہا تھا،
اس سے بابر اچھی طرح باخبر تھا۔ دھول پور میں ایک روز سنگ مرمر کے
ایک نامکمل محل کا معائنہ کر رہا تھا کہ ایلچی آیا۔ اس نے شہنشاہ کو
خبر دی کہ محمود لودھی نے مشرق کی طرف سے حملہ کر دیا ہے اور تمام
افغان اس کی مدد کر رہے ہیں۔

بابر نے ایک دم فیصلہ کیا اور اپنے تمام پرانے ارادے
بدل کر اس طرف کا رخ کیا۔ جہاں فتنہ کھڑا کیا جا رہا تھا۔ دو
فروری سن پندرہ سو انتیس کو وہ اپنی کمزور صحت کے باوجود محمود
لودھی کے کان ایٹھنے کے لئے روانہ ہوا۔ کبھی گھوڑے پر
کبھی کشتی میں، اس نے پانی اور خشکی کا فاصلہ طے کیا اور اپنے جرنیل

عسکری سے جا ملا جو دشمن کے مقابلے میں پیچھے ہٹتا چلا آ رہا تھا۔
لیکن بابر کی دہشت اتنی تھی کہ وہ الہ آباد تک بھی نہ پہنچا تھا کہ افغانوں
کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ بنارس سے اٹھ بھاگے۔ محمود لودھی
بنگالیوں کی پناہ میں چلا گیا۔ بابر کے انتقامی ارادوں اور ان کی تکمیل
کے درمیان دو دریا بہہ رہے تھے۔ گنگا اور گھاگرا۔
ظاہر ہے کہ بابر کی فوجوں کے لئے دشمن پر حملہ کرنا بہت مشکل تھا۔
مگر ایک بار پھر تیمور اور جنگیز خاں کا لہو بابر کی رگوں میں آتش سیال
کی طرح دوڑا اور محمود لودھی اپنے بنگالی طرفداروں سمیت بابر کی
عسکری قوتوں کے سامنے بھٹک گیا۔

اس ناممکن فتح کو ممکن بنا کر تھکا ماندہ بابر آگرہ واپس آیا۔
۲۴ جون جمعرات کو صبح نو بجے وہ اپنے دارالخلافہ میں داخل ہوا۔
بارشوں میں پچاس میل روزانہ کی مسافت کر کے۔

خانیقاہ جہاں پناہ۔ روضۂ ہشت بہشت کے ناظم اعلیٰ
حضور کی خدمت میں انگور اور سرسے پیش کرنا چاہتے ہیں۔
بابر:۔ سرسے۔ انگور۔ (دفعاً چونک کر) تو پھلے
لے آئیں۔ وہ بلیں جو ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے
بلع میں اُگائی تھیں۔ کہاں ہیں روضۂ ہشت بہشت کا
ناظم اعلیٰ! اس کو ہمارے حضور میں پیش کرو۔

خادم:۔ بہت اچھا عالی جاہ!
بابر:۔ (غور ہو کر)۔ ہندوستان کی زمین کے بطن سے

یہ پہلی بار کابل کے دو پھل پیدا ہو رہے ہیں (فوراً ہی یہ میوے چر کر کراس نے اچھا اور ذومعنی فقرہ کہا ہے) ہندوستان کی زمین کے بطن سے پہلی بار کابل کے دو پھل پیدا ہو رہے ہیں۔ شاید اور کبھی ہوں۔ ہندوستان کی وہ تمام وسعت جو کبھی لودھی اپنے دامن میں لئے پھرتا تھا۔ آج بابر کے نقش قدم اس پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمالہ سے گدالیاں اور چندیرہی تک اور دریائے جہلم سے بہنگال تک اس کی سلطنت ایک وسیع چاندنی کی طرح بکھی ہوئی ہے۔ لیکن ہمارا دل ابھی تک مطمئن نہیں ہوا۔

برلاس!

بہر لاسو!، عالی جاہ!

بابر: برلاس۔ تم یہاں کب کے کھڑے ہو؟

بہر لا سہ: جب سے عالمی جاہ کتاب دہلی کی ودقہ گزرتی میں مصروف ہیں۔

مبایدہ: تم کس نتیجہ پر پہنچے؟

میرا لاس۔ ہندوستان کے شہنشاہ کا دل اس سلطنت سے
 کہیں زیادہ وسیع ہے۔

بابرؑ بزرگ لاس — تمہارے اس عمر یعنی فقرے نے ہماری بات کا
جواب نہیں دیا۔ تم ہمارے لائق وزیر اور پُر خلوص دوست
ہو۔ — ہمیں یہ بتاؤ کہ اتنی فتورات حاصل کرنے پر کبھی
ہمارے دل کو چین کیوں نصیب نہیں ہوا — ہم ادا اس
کیوں رہتے ہیں ؟

بہر (اسمع) : تیمور کا خون جب ہر وقت جہاں پناہ کے کانوں میں گونجنے لگا
کچھ تار ہے تو اس کو اس جہان نامہ دردی ہے ۔

--- سیر قند کا سفر اخیال ---

بابر نے ہماری کھیتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ آہ! سمرقند
— ہندوستان! بابر بادشاہ کی انتھک کوششوں کا شاندار
انعام ہے۔ لیکن ہماری کس قدر خواہش ہے کہ وطن کی اور بچی
اور بچی گھوٹیاں ایک بار پھر ہمارے تسلط میں ہوں — سمرقند
ہماری حیوانی کاسنیہ (خواب) ہے۔

خادم:۔ جہاں پناہ — روضہ بہشت بہشت کے ناظم اعلیٰ
حاضر ہیں۔

بابر :- (خوش ہو کر) مابعد ولایت اس کی آمد سے خوش ہوتے ہوئے بڑا س
— شہنشاہ بابر کی ایک کمزوری آج تم کو معلوم ہو جائے گی۔
کابل کے سرداروں پر وہ بڑی طرح مرتا ہے۔ (دہشتا ہے)

ما ظلم : غلام کو : نفس بجالا تا ہے جہاں پناہ !

بابر نے روضہ بہشت بہشت کا ناظر اعلیٰ مقرر کر کے مابذولت
نے غلط انتخاب نہیں کیا تھا۔ برلاس۔ کابل کے سردے
اور انگوڑے کے کی مٹی بھی پال سکتی ہے۔ ہمارے منہ میں پانی
بھر آیا۔ سردے کی ایک قاش نمونے کے طور پر ہم ابھی چکھنا
پسند کریں گے۔ اور انگوڑے کے چند دانے بھی۔

منظوم: ابھی حاضر کرتا ہوں جہاں سناہ!

باب ۱۰۔ ہر لاس ہم نے کا بل پیغام بھجوایا تھا کہ ہماری ہمشیرہ

خاتون زادہ اور ہماری چہیتی سگم ماہم کابل سے فوراً یہاں چلی آئیں۔ وہاں سے کوئی اطلاع آتی؟

بوللاس: ابھی تک کوئی اطلاع نہیں آئی عالی جاہ۔ بارشیں بہت زبردوں پر ہو رہی ہیں۔ اس لئے پیغام رسانی میں بڑی مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔ یوں بھی آگرے سے کابل پہنچنے میں پانچ گھنٹے صرف ہو رہے ہیں۔

بابوہ: ہم نے طے یہ کیا تھا کہ جب ماہم کی آمد کی اطلاع ہمیں ملے گی تو ہم آگرے سے ساتھ میل دور علی گڑھ میں اس کے استقبال کے لئے جائیں گے۔

سٹائیس جون سن پندرہ سو انتیس کو مہاراجہ بارش ہو رہی تھی۔ منو پانی برس رہا تھا۔

خادم: یہاں پناہ کابل سے ایلچی آیا ہے۔

بابوہ (چوٹا کر): کابل سے۔ اسے فوراً ہماری خدمت میں حاضر کرو۔

خادم: بہت اچھا جہاں پناہ!

بابوہ: ٹھہر رہے ہیں فوراً سے ملتے ہیں۔ وہ ضرور ہماری چہیتی سگم ماہم کی خبر لایا ہے۔

خادم: جی ہاں عالی جاہ۔ وہ حضور کی قدم پرسی کے لئے اتنی بے تاب تھیں کہ علی گڑھ میں حضور کا انتظار کتنے بغیر آگرے

تشریف لے آتی ہیں۔ ان کی سواری یہاں سے صرف چند میل دور ہوگی۔

بابوہ: (مضطرب ہو کر)۔ اس کا شوق ملاقات ہمارے شوقِ دید سے زیادہ تیز ثابت ہوا۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی پہنچ جائے گی۔ افسوس کہ ہم وعدہ کے مطابق علی گڑھ جا کر اس کا استقبال نہ کر سکے۔ ہماری ننھی ٹکڑی بھی اس کے ہمراہ ہوگی۔ ننھی ٹکڑی۔ دیکھو ہماری سواری تیار کرو۔ نہیں۔ ہم اتنی دیر نہیں کر سکیں گے۔ اُف۔ ایک زمانہ ہو گیا ہے، ہمیں ماہم کو دیکھئے ہوئے۔ لیکن اب۔ لیکن اب تو صرف چند لمحوں کا سوال۔ ہم پیدل جائیں گے۔ خادم: جہاں پناہ! باہر بارش ہو رہی ہے۔ پانی کی نہریں بہہ رہی ہیں۔

بابوہ: کوئی ہرج نہیں۔ جاہِ افرغل۔ ہمارا افرغل حاضر کرو۔ خادم: جہاں پناہ! بارش معمولی نہیں۔ طوفان ہے۔

بابوہ: (ہنستا ہے) تمہارا اباد شاہ بڑھا ہو گیا ہے۔ گھزور ہوا۔ ابھی پچھلے دنوں اس نے گنگا ننتیں ہاتھوں میں پار کی ہے۔ طوفان؟ ہم نے اپنی زندگی میں کتنی طوفان دیکھے ہیں۔ بارش اور کچھ (ہنستا ہے) ماہم ہمارا راستہ دیکھ رہی ہوگی۔ ہم جاتے ہیں۔

بارش کے طوفان میں بابوہ کچھڑ سے اٹی ہوئی سڑک پر دوڑتا

چلا گیا۔ — تھی کہ وہ اپنی محبوبہ کے پاس پہنچ گیا۔ جو گھوڑے پر سوار اس طوفان میں اپنے مالک سے ملنے آ رہی تھی۔

صاحبزادہ: (حیرت زدہ ہو کر) — جہاں پناہ — آپ — میری آنکھیں مجھے دھوکا تو نہیں دے رہیں۔

صاحبزادہ: اوہ — ماہم — تم سے مل کر میں کتنی خوش ہوئی۔ یہ کیا کر رہی ہو بیٹھی رہو — گھوڑے پر سے اتر فکری تکلیف نہ کرو۔

صاحبزادہ: جہاں پناہ! میں ادب کیسے بجالاؤں۔
صاحبزادہ: خدا کے لئے ایسے موقع پر تکلفات نہ بنو۔ تمہارا بادشاہ انسان بھی ہے اور — محبت تو ہر تکلف سے بے نیاز ہوتی ہے۔

صاحبزادہ: (خوش ہو کر) جہاں پناہ — میں کیسے — میں کیسے —
صاحبزادہ: چھوڑو ان باتوں کو — یہ بتاؤ راستے میں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی — سفر کیسے گنا — آہ — ماہم تمہیں دیکھنے کے لئے ہم کتنے بے تاب تھے — خدا کے لئے گھوڑے پر بیٹھی رہو — باگ میں دیدو — یہ جھجک کیسا؟

صاحبزادہ: (جھجک کے ساتھ) — جہاں پناہ —
صاحبزادہ: (خس کر) — اتنی بڑی سلطنت کے خزانے تمہارے رکھنے سے کیا ایک گھوڑے کی باگ نہیں تھام سکتے — (باہر جھٹکتا ہے) اور پھر اس گھوڑے پر تو ہماری محبوبہ سوار ہے۔

ماہم: جہاں پناہ! میں اس عزت افزائی کا شکر یہ کیسے ادا کروں۔
صاحبزادہ: باگ ہمارے ہاتھ میں دو — ہم تمہیں بتائیں گے۔

بابر کی صحت دن بدن گرنے لگی — سن پندرہ سو چھتیس میں پانی پیت کی لڑائی کے بعد اس کو زہر دینے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ یہ زہر اس کو ہلاک نہ کر سکا مگر اس کا اثر بابر کے جسم میں تادم آخر موجود رہا۔ کہتے ہیں کہ سلطان ابراہیم کی وفات کے بعد اس کی ماں نے شاہی محل کے ایک کونوں کو زہر پلا سفوف دیا۔ اور ان سے کہا کہ بابر کے خاصے پر چڑھ کر دیں۔ یہ خاصے کھانے کے بعد عیساکر بیان کیا جاتا ہے بابر بہت دیر تک بیمار رہا۔

شیر فرغانہ اب تھا کہ چور چور ہو گیا۔ وہ قوت جس نے ہندوستان پر اس کا سکھ دیا تھا اب اس میں نہیں رہی تھی۔
— اب جہاں پناہ! کا خیال اس کے دل و دماغ میں نہیں رہا تھا۔

صاحبزادہ: ماہم۔۔۔

ماہم: جہاں پناہ!

صاحبزادہ: ماہم — جہاں پناہ نہ کہو — یہ جہاں ہماری پناہ میں نہیں — ہم خود اس کی پناہ کے طالب ہیں — اب جی چاہتا ہے کہ ایسی جگہ جا دیں جہاں امن اور پناہ — سکون ہو — شہنشاہی درد سر ہے — خدا کی قسم درد سر ہے — ہم اب حد و نشیوں کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں — تمام جھجک

سے آزاد ہو کر ہم کسی ایسے مقام کی تلاش میں ہیں، جہاں ہم اپنے
کا اندھوں پر سے شہنشاہیت کا بوجھ اتار کر ایک طرف رکھ دیں
اور آرام کر سکیں (ہمچے میں زیادہ سنجیدگی پیدا ہو جاتی ہے)
— ماہم جی چاہتا ہے زرافشاں چلا جاؤں۔ وہاں کے باغوں
میں ایک چھوٹا سا جھونپڑا بنوا لوں — اب یہ محل کاٹنے کو
دوڑتا ہے۔ جہاں قدم قدم پر کوند نش بجالائی جاتی ہے —
جہاں ہزاروں خدام کا ہنگھٹا لگا رہتا ہے — زرافشاں کے
باغ ہوں۔ ایک چھوٹا سا جھونپڑا ہو اور صرف ایک خادم ہو۔
ماہم: جہاں پناہ کو اگر یہی کچھ کرنا تھا تو مجھے یہاں بلوانے
کی کیا ضرورت تھی؟

بابو:۔۔۔۔۔ آہ اہم نہیں سمجھ سکتیں — ماہم تم عودت ہو
— تمہاری محبت بابو سے ہے۔ لیکن بابو بادشاہ سے
زیادہ ہے — یہ عورت کی کمزوری ہے — بابو بادشاہ
کو اپنی عظمت اور اپنے جلال کا اتنا خوار نہیں ہو گا۔ جتنا تمہیں
گلبدن یہ تم روکیوں رو رہی ہو۔

گلبدن:۔ میں — میں — میں جھونپڑے میں نہیں رہوں گی۔
بابو: (ہنستا ہے) گلو — تو جھونپڑے میں نہیں رہے گی؟
— اچھا بتا کہاں رہے گی؟

گلبدن: (سبکیوں کے ساتھ) — اس محل میں — اس محل میں
جہاں پناہ!

بابو: یہ محل تجھے پسند آگیا؟
گلبدن: (سبکیوں کے ساتھ) ہاں
بابو: (ہنستا ہے) اچھا تو ہم نے صرف تیرے لئے اپنا ارادہ
نہ کرک کر دیا۔ لے اب کمرہ دے۔

بابو درحقیقت سلطنت کے کام سے دست بردار ہو جانا
چاہتا تھا۔ مگر وہ بہت ہوشیار، دقیقہ رس اور سمجھا سچا ہے۔ وہ
اس وقت تک تخت چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھا۔ جب تک کہ
اس کا بدل نہ مل جائے۔

بابو کی جگہ کون لے سکتا تھا — اس کا بیٹا ہایوں بے شک
بہادر تھا اور بابو کو اس سے محبت بھی تھی۔ مگر وہ بے پرواہ اور
غیر ذمہ دار تھا۔ مطلوبہ طبیعت کے باعث بھی وہ اتنی بڑی سلطنت
کا انتظام کرنے کا اہل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس نے تازہ تازہ
سمرقند کے معاملے میں اپنے آپ کو ناکارہ ثابت کیا تھا۔ بابو کا
حکم یہ تھا کہ وہ فوراً بدخشاں جائے اور ازبکوں کی سرکوبی کرے؛
جو دن بدن طاقت پکڑ رہے تھے۔

ہایوں نے اس حکم کے مطابق سمرقند پر چڑھائی کی۔ اور
حصار پر قبضہ بھی کر لیا۔ مگر جب اس کو اپنی ماں کا یہ پیغام ملا کہ
بابو ہندوستان کا تخت اپنے دادا محمد جہدی خواجہ کو دینے والا
ہے۔ تو وہ جھٹ پٹ بدخشاں سے کابل پہنچا اور اپنے چھوٹے
بھائی ہندوال کو جس کی عمر صرف دس سال تھی۔ اس بات پر آمادہ

جوان سال شہزادہ ہمایوں کو آگرے ایک پانکی میں لایا گیا۔
کیونکہ وہ سخت بیمار تھا۔ بہت علاج معالجہ ہوا۔ مگر کوئی افاقہ
نہ ہوا۔ آخر ایک روز۔ بابر اس کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں اس
کی چہتی بیگم ماہم کا لڑکا بستر علامتہ پر بٹھا تھا۔

بابر :- ہمایوں — ہمایوں بیٹا —

(ہمایوں بستر پر خاموش پڑا رہتا ہے)

بابر :- تمہاری ماں نے مجھے دیا تھا کہ میں اپنی ذات کے سوا اور
کسی سے — محبت نہیں کرتا — اپنی ذات کے سوا شہنشاہ
بابر کو اور — کوئی عزیز نہیں — لو سنو — میری دعا سنو
— (آواز میں دعا تہیہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے) اے خدا
میں صدق دل سے دعا کرتا ہوں کہ میرے بیٹے ہمایوں کی
بیماری مجھے لگ جائے اور وہ تندرست ہو جائے اور اس
کے بدلے میں علیل ہو جاؤں — اے خدا میری دعا قبول کر
اور میری چہتی بیگم کے لخت جبکہ کو ہر وقت ہر آفت سے
محفوظ رکھو۔

خدا نے بابر کی دعا قبول کی — ہمایوں صحت یاب ہو گیا۔ اور
اس کی جگہ بابر نے خطرناک طور پر بیمار ہو گیا۔

بابر بستر مرگ پر بٹھا تھا۔ اس کی ہڈیاں ان تمام جنگوں کے بوجھ
کے نیچے کھڑکی پر ہی تھیں۔ جو وہ اپنی زندگی میں لڑ چکا تھا۔ آنکھوں

میں غنودھی تھی۔ دفعۃً لالہ شہی چادر میں سر اٹھٹ پیدا ہوئی خوشنشاہ
نے اور کھڑکی تھی۔ آنکھیں نیم فاس ہوئیں۔ بستر کے پاس کسی کو کھڑا دیکھ کر
بابر کے ہونٹ کھلے۔

بابر :- (کمزور آواز میں) — تم یہاں کب سے کھڑے ہو؟
ہمایوں :- جب سے جہاں پناہ نے میری حاضری کا حکم دیا تھا —
— ایک گھنٹے سے —

بابر :- یہیں یاد نہیں کہ ہم نے تمہیں بلایا تھا۔

ہمایوں :- جہاں پناہ کیا جگہ سے ڈر گئے تھے۔

(چند لمحات کے لئے بابر بالکل خاموش رہتا ہے۔

پھر ایک لمبا سانس لیتا ہے)

بابر :- اگر خدا نے میرے بعد تمہیں تخت بخشا تو اپنے بھائیوں کو
ہلاک نہ کرنا۔ ان کی نگہداری کرنا۔ بس اب جاؤ ہمایوں۔
جاؤ میرے بیٹے جاؤ۔

چھبیس دسمبر سن پندرہ سو تیس کو شہنشاہ بابر اپنا آخری اجلاس
کرتا ہے اور ہمایوں کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔
شیر فرغانہ بستر پر آخری کروٹ بدلتا ہے اور کھڑکی میں سے
آگرے کی طرف دیکھتا ہے — مد نظر تک بابر کو اپنے لگائے
جو کئے اعات کی ہر اول دکھائی دیتی ہے۔ ان درختوں کے عقب
میں مسجد کا مینار آسمان کی طرف سر اٹھائے نظر آتا ہے۔

جوان سال شہزادہ ہمایوں کو آگرے ایک پانکی میں لایا گیا۔
کیونکہ وہ سخت بیمار تھا۔ بہت علاج معالجہ ہوا۔ مگر کوئی افاقہ
نہ ہوا۔ آخر ایک روز۔ بابر اس کمرے میں داخل ہوا۔ جہاں اس
کی چہتی بیگم ماہم کا لڑکا بستر علامتہ پر بٹھا تھا۔

بابر :- ہمایوں — ہمایوں بیٹا —

(ہمایوں بستر پر خاموش پڑا رہتا ہے)

بابر :- تمہاری ماں نے مجھے دیا تھا کہ میں اپنی ذات کے سوا اور
کسی سے — محبت نہیں کرتا — اپنی ذات کے سوا شہنشاہ
بابر کو اور — کوئی عزیز نہیں — لو سنو — میری دعا سنو
— (آواز میں دعا تہیہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے) اے خدا
میں صدق دل سے دعا کرتا ہوں کہ میرے بیٹے ہمایوں کی
بیماری مجھے لگ جائے اور وہ تندرست ہو جائے اور اس
کے بدلے میں علیل ہو جاؤں — اے خدا میری دعا قبول کر
اور میری چہتی بیگم کے لختِ جبکہ کو ہر وقت ہر آفت سے
محفوظ رکھو۔

خدا نے بابر کی دعا قبول کی — ہمایوں صحت یاب ہو گیا۔ اور
اس کی جگہ بابر نے خطرناک طور پر بیمار ہو گیا۔

بابر بستر مرگ پر بٹھا تھا۔ اس کی ہڈیاں ان تمام جنگوں کے بوجھ
کے نیچے کھڑکی پر ہی تھیں۔ جو وہ اپنی زندگی میں لڑ چکا تھا۔ آنکھوں

میں غنودھی تھی۔ دفعۃً لالہ شہی چادر میں سر اٹھٹ پیدا ہوئی خوشنشاہ
نے اور کھڑکی تھی۔ آنکھیں نیم فاس ہوئیں۔ بستر کے پاس کسی کو کھڑا دیکھ کر
بابر کے ہونٹ کھلے۔

بابر :- (کمزور آواز میں) — تم یہاں کب سے کھڑے ہو؟
ہمایوں :- جب سے جہاں پناہ نے میری حاضری کا حکم دیا تھا —
— ایک گھنٹے سے —

بابر :- یہیں یاد نہیں کہ ہم نے تمہیں بلایا تھا۔

ہمایوں :- جہاں پناہ کیا جگہ سے ڈر گئے تھے۔

(چند لمحات کے لئے بابر بالکل خاموش رہتا ہے۔

پھر ایک لمبا سانس لیتا ہے)

بابر :- اگر خدا نے میرے بعد تمہیں تخت بخشا تو اپنے بھائیوں کو
ہلاک نہ کرنا۔ ان کی نگہداری کرنا۔ بس اب جاؤ ہمایوں۔
جاؤ میرے بیٹے جاؤ۔

چھبیس دسمبر سن پندرہ سو تیس کو شہنشاہ بابر اپنا آخری اجلاس
کرتا ہے اور ہمایوں کے حق میں تخت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔
شیر فرغانہ بستر پر آخری کروٹ بدلتا ہے اور کھڑکی میں سے
آگرے کی طرف دیکھتا ہے — مد نظر تک بابر کو اپنے لگائے
جو کئے اعات کی ہر اول دکھائی دیتی ہے۔ ان درختوں کے عقب
میں مسجد کا مینار آسمان کی طرف سر اٹھائے نظر آتا ہے۔

اس کی روح نے کچھ بار بغاوت کی مگر اورنگ زیب کے آپہنی اور اسے
کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ چلی۔

شاہ جہاں بوڑھا تھا۔ نحیف تھا۔ عمر کے آخری برسوں پر اپنے
بیٹے کے اعمال کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا۔ اسی کے سبب امیر اور
اکابر ظفر مند بیٹے سے جا ملے تھے۔ اب سوائے حرم کی عورتوں اور
چند خواجہ سراؤں کے جو اس کی خدمت کے لئے اورنگ زیب نے مقرر
کر رکھے تھے۔ شاہ جہاں کا نہ کوئی صلاح کار تھا نہ مشیر، ہندوستان
کی تمام وسعت اپنی جیب میں ڈال کر اورنگ زیب نے اس کو قلعے کے
چند گھروں میں قید کر دیا تھا۔

پاروں طرف فتح مند اورنگ زیب کی فوج نے گھیر ڈال رکھا تھا۔
دن رات جا سو سوں کے ذریعہ سے اس کی نگرانی کی جاتی تھی۔ بہت
کڑا محاسبہ کیا جا رہا تھا کہ شاہ جہاں قلعے سے باہر کسی سے خط و
کتابت نہ کر سکے۔

شاہ جہاں: (غصے کی حالت میں) مجھے بتاؤ، وہ فانی خواجہ سرا کا
کیا ہوا؟

اورنگ زیب: اس کا وہی حشر ہوا جو باغیوں کا ہوتا ہے۔

شاہ جہاں: اس نے کیا بغاوت کی تھی۔ جو تم نے اسے اتنی کڑی
سزا دی ہے۔

اورنگ زیب: آپ نے اس کے ذریعے سے ایک خط باہر بھیجنا
چاہا تھا۔

شاہ جہاں: تو اس میں اس کا کون سا جرم تھا۔ محی الدین تم مجھے
انتا کیوں ستارہ ہے؟ — کیا اس قلعے کی چار دیواری میں قید
کر کے بھی مطمئن نہیں ہوتے۔ تم نے اب میری تحریر پر بھی
پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ — میرے پیادہ صبر میں کیا تمہیں
کچھ گنجائش نظر آگئی تھی۔

اورنگ زیب: میں آپ کو بار بار لکھ چکا تھا کہ بیرونی دنیا سے
خط و کتابت کو ناقطعی طور پر ترک کر دیں۔

شاہ جہاں: یہ تمہارے احکام تھے۔

اورنگ زیب: جو آپ نے رو کر دیئے۔

شاہ جہاں: بیٹا باپ پر حکومت چلائے — محی الدین، میں
اب تم سے کیا کہوں۔ تم اس وقت ہندوستان کے ظفر مند
بادشاہ ہو۔ شاہ جہاں کے فرزند نہیں ہو۔

اورنگ زیب: محی الدین اورنگ زیب ظفر مند بادشاہ بعد میں ہے
پہلے وہ آپ کا بیٹا ہے

شاہ جہاں: تو باپ تم سے پوچھتا ہے کہ اس کی خط و کتابت پر
نگرانی کیوں کی گئی۔ کیا اس قسم کی ذلت تمہارا باپ برداشت
کر سکتا ہے؟

اورنگ زیب: چونکہ اس قسم کی خط و کتابت سے ملک میں بد امنی
اور بغاوت پھیلنے کا اندیشہ ہے اس لئے یہ احتساب ضروری
سمجھا گیا۔

شاہ جہاں: میں تمہارے اس احتساب کی کوئی پروا نہیں کرتا

— میں جس سے چاہوں گا خط و کتابت کروں گا۔

اور نگے فریب سے: تو جس کے ہاتھ آپ خطرہ نہ کریں گے اس کا وہی
خوشتر ہو گا جو فانا می خواہدہ سر اکا جزوا۔ میں تمام خواہدہ سر اکا کے
نام ایک تنبیہ جاری کر چکا ہوں۔ اگر انہوں نے وفا کی طرح
کوئی حرکت کی تو انہیں وہی سزا بھگتنی پڑے گی، جو اس کو مل
چکی ہے۔

شاہ جہاں: محمد الدین، جاؤ، میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔
ایسا نہ ہو کہ میرے منہ سے کوئی بددعا نکل جائے۔ جاؤ یہاں سے
چلے جاؤ۔

اور نگے فریب سے: جو کچھ میں کر رہا ہوں، آپ کی اور ملک کی بہتری کے لئے
کر رہا ہوں۔ بطور حفظ ماقدم اب آپ کو نوشت و خاند کا
سامان نہیں دیا جائے گا۔ اگر آپ کو خط لکھو انا ہو تو ایک خواہدہ
سر امیں نے اس کام کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ آپ خط کا مضمون
بول دیا کریں وہ لکھ دیا کرے گا۔

شاہ جہاں: تمہاری بہت مہربانی۔ جاؤ، اب یہاں سے چلے جاؤ۔

۸ جون ۱۶۵۸ء کو جب شاہ جہاں قلعہ آگرہ میں محصور کیا گیا۔
تو اورنگ زیب نے فوراً ہی شاہی محلوں کے ان کمروں کو جن میں جواہرات
اور قیمتی سامان تھے مقفل کر کے ان پر ہر س لگا دی تھیں۔
اورنگ زیب کا ایک خاص خواہدہ سر امعتدہ ناجی ان کی نگرانی پر
متعین تھا۔ چونکہ شاہ جہاں اب حرم کی چار دیواری میں اقامت پذیر

ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کمروں تک اس کی رسائی آسانی کے ساتھ ہوتی تھی۔
یہی وجہ ہے کہ اورنگ زیب نے یہ احکام جاری کر رکھے تھے کہ خزانوں
کو کھولتے وقت جواہرات کی حفاظت اور احتیاط میں کوئی دقیقہ
فروگذار نہ کیا جائے۔

شہزادہ محمد سلطان کے چلے جانے پر معتد خواہدہ سر امی کا راجہ
مختار بن گیا تھا۔ وہ شاہ جہاں سے اس قسم کی سخت گیری روا رکھتا تھا
جو سینٹ پلینا میں پولیس کے ساتھ ہڈ سن لوٹے روا رکھی تھی۔

شاہ جہاں: جہاں آرا، بیٹا۔ ذرا ادھر آؤ۔

جہاں آرا: آئی ظلی الہی۔

شاہ جہاں: بیٹا ہم نے معتد خواہدہ سر اکو کہلا بھیجا تھا کہ وہ ہمارے
پاپوش منگوانے سے۔ خادم ابھی ابھی یہ لایا ہے۔ کھول کر دیکھو
کیسی پاپوش ہے؟

جہاں آرا: دکھول کر دیکھتی ہے، ظلی الہی یہ پاپوش آپ نے کس
کے لئے منگوائی ہے۔ اپنے لئے یا کسی خادم کے لئے۔

شاہ جہاں: کیوں کیا ہوا؟ ارے سچے سچ۔ نابکار نے یہ کیسی فضول
سی پاپوش بھیج دی۔

جہاں آرا: فضول؟۔ ظلی الہی۔ یہ تو بالکل نکمی پاپوش ہے۔ جوتا تو
دیکھتے کتنا اہمیت ہے۔ ایسی پاپوش تو رقی کے بھڑبھڑے بھی
نہیں پہنتے ہوں گے۔

شاہ جہاں: ہمیں نہ دکھاؤ جہاں آرا، اسی طرح پیٹ کر رکھ دو۔

یہ سب اس حرام خود معتمد کی شرارت ہے جو محمد سلطان کے چلے جانے پر اس قلعے کا مالک بن بیٹھا ہے۔ ہم سمجھ گئے۔ وہ نابکار ایسی خلیل حرکتوں سے ہمیں چھیڑ کر خوش ہونا چاہتا ہے۔

جہاں آراء اللہ کرے دو ہے اس دنیا کے تختے پر۔

شاہ جہاں د بیٹا کسی کو بددعا نہ دو۔ معتد گم ظرف ہے۔ اگر اس کا ظرف بلند ہوتا تو ہمارے ساتھ اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ ہرگز نہ کرتا۔ اللہ اکبر۔ یہیں یہ دن بھی دیکھنا تھا۔

جہاں آراء (آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور آواز بھرا جاتی ہے) ظل الہی دل سے صرف ایک جھوک اٹھتی ہے اور اس جھوک کے ساتھ جانے کو کتنی خاموشی اور منکظم بددعاؤں لیٹ کر باہر نکل جاتی ہیں۔ میں سب کچھ جانتی ہوں۔ سب کچھ سمجھتی ہوں بڑے کیا کہوں۔ کاش میں آپ کے لئے کچھ کر سکتی۔

شاہ جہاں آراء۔ جہاں آراء۔ تم نے ہمارے لئے وہ سب کچھ کیا ہے جو شاید ہی کوئی بیٹی اپنے باپ کے لئے کر سکے۔ تم نے اپنا آرام اپنا چین سب کچھ ہم پر قربان کر دیا۔ تم نے اپنے ضعیف باپ کی خدمت اس محبت کے ساتھ کی ہے کہ ہم اپنا کچھ درد بھول چکے ہیں۔

جہاں آراء۔ ظل الہی۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکی۔ محبت ذات کبر کیا سکتی ہے۔

شاہ جہاں د۔ ہیں ظل الہی کہو بیٹا۔ ہم خدا کا سایہ نہیں رہتے، ہمیں تو اب اس سائے کی تلاش ہے۔ اور جہاں آراء بیٹا، تم اس تندی سے ہماری خدمت بجا لاتی ہو کہ اب آلام و آلام نہیں معلوم ہوتے۔

قید و بند کے ان ایام میں ہمیں پہلی مرتبہ اس امر کا احساس ہوا ہے کہ تم کتنی نیک سیرت، خدمت گزار اور جوصلہ مند خالق ہو۔ ہمیں فخر ہے کہ ہم تمہارے باپ ہیں۔ روضہ نہیں بیٹا تمہاری آنکھوں میں آنسو کچھ کر ہیں جو عافی ازیت ہوتی ہے۔ اب آنسو پوچھ ڈالو۔ اور سید محمد فتوحی کو ہمارے پاس بھیجا دو کہ وہ ہندوستان کے ناکام مراں بادشاہ کے دل کو ہمارے دینے کے لئے اخلاقی حکایات اور مذہبی روایات سنائے۔ قسم ہے وحدہ لا شریک کی، اس فرشتہ سیرت بزرگ نے ہمارے مذہبی شغف کو بہت بڑھا دیا ہے۔ قرآن کریم کا تلاوت اور حدیث کے درس ہیں روحانی تسلی بخشتے ہیں۔

تاریخی مطالعہ اور مذہبی شغف کے علاوہ شاہ جہاں اپنی چھوٹی لڑکی سے جو حضرت میاں میر جیسے ولی کی مرید تھی بہت محبت کرتا تھا۔ جہاں آراء اپنے ضعیف باپ کی خدمت بڑی تندگی سے کرتی تھی۔ شاہ جہاں کی اس عمر میں جہاں آراء کا وجود اس کے لئے یقیناً عصا جتنے بڑی تھا بلکہ وہ دوسری اولاد کے تلخ تجربوں کا ازالہ بھی کر رہی تھی۔ شاہ جہاں اپنی مصیبتوں کے سامنے تسلیم خم کر چکا تھا اور نگ زیب نے پہلے داسا شکوہ، پھر مراد بخش اور پھر سلیمان کو قتل کیا تھا۔ ان عداوتات کے باعث بوڑھے باپ کا دل بالکل ٹوٹ چکا تھا اب وہ ایک شکستہ حال انسان کی طرح صبر و شکر کر کے اپنے ایام طلوع و کربا پورے کر رہا تھا۔

قید و بند کے اس زمانے میں شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے درمیان
خط و کتابت کا سلسلہ کچھ دیر جاری رہا۔

شاہ جہاں :- بولو آگے کیا لکھا ہے۔

جہاں آراء :- لکھتے ہیں ”آپ مجھے غاصب اور جاہل کہتے ہیں۔ میرے
روئے کو تعذیب سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسروں کی ملکیت پر قبضہ
کرنے والے کو اسلام کا مخالف بتاتے ہیں۔ لیکن آپ کو یاد رکھنا
چاہیے کہ سلطنت کے خزانے اور ملک و دولت عامۃ الناس
کے فائدے کے لئے ہے۔ عیش و عشرت کے لئے نہیں ہے
بادشاہیت موصوفی املاک نہیں ہوتی کہ آپ کے بعد بیٹا ہی اس کا
وارث ہو۔ یہ تو خدا کی ایک امتیازیت ہے جو آپ پر ہوتا ہے۔ اسے ہی
ملتی ہے یہ مال و دولت۔۔۔

شاہ جہاں :- ہنر مند کروا ہے۔۔۔

جہاں آراء :- ابھی ختم نہیں ہوا۔

شاہ جہاں :- ہم جانتے ہیں۔ اس کی یہ تقریر کبھی ختم نہیں ہوگی۔ لیکن
اس کو شاید یہ معلوم نہیں کہ جو سلوک اس نے ہمارے ساتھ
کیا ہے۔ وہی سلوک اس کی اپنی اولاد اس کے ساتھ رہا رکھے گی۔
۔۔۔ یہ ہم اسے خط میں بھی لکھوا چکے ہیں۔

جہاں آراء :- اور اس کا جواب اس خط میں موجود ہے۔

شاہ جہاں :- کیا لکھا ہے؟

جہاں آراء :- لکھتے ہیں ”جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے

میں جو کچھ کر رہا ہوں ہوں وہی میرے اگلوں نے بھی کیا تھا۔ پھر
تعجب کی بات کیا ہے۔ اگر خدا کی مرضی اسی میں ہے تو میرے بیٹے
محمد سے ایسا ہی سلوک کریں گے۔ میں خدا کی مرضی اور اس کے
حکم سے سرمو تقاضا کرتا نہیں کروں گا۔ لیکن میری نیت جو کہ اچھی
ہے اور خدا کی ہر بانی ہمیشہ نیک نیتوں کے ساتھ ہوتی ہے۔
اس لئے مجھے توقع رکھنی چاہئے کہ میری اولاد میرے ساتھ اچھا
ہی سلوک کرے گی۔۔

شاہ جہاں :- خدا کی مرضی۔۔۔ خدا کی مرضی ضرور
ایسی ہی ہوگی۔ وہ دن ضرور آئے گا۔ جب محمد الدین اپنے بیٹے کو
باغی اور بے وفا کہے گا تو وہ پلٹ کر یہ جواب دے گا۔ ”بولو۔ تم نے
اپنے باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟“ کیا تم باغی نہیں
ہو گئے تھے۔ کیا تم نے اپنے باپ سے دغا نہیں کیا تھا؟“
جہاں آراء :- خط کا مجموعہ اس حصہ باقی رہ گیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔
شاہ جہاں :- سناؤ۔

جہاں آراء :- لکھتے ہیں ”آپ مجھے کیوں بُرا کہتے ہیں۔ کیا آپ اپنے
بھائیوں خسرو اور پرویز کو بھول گئے۔ انہوں نے آپ کو
کوئی گزند نہیں پہنچایا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے ان کے
ساتھ بُرا سلوک کیا۔“

شاہ جہاں :- اورنگ زیب کے درمیان یہ تلخ خط و کتابت ایک
عرصے تک جاری رہی۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے باب کو خود

لکھنا ترک کر دیا۔ کبھی کبھی منشیوں سے کچھ لکھوا کر بھیج دیا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا۔

شاہ جہاں اورنگ زیب سے نہ تو تلوار کی جنگ میں عہدہ برسرِ آہو سے نہ قلمی جنگ میں، کچھ عرصے کے بعد وہ قدرت کے فیصلے کے آگے جھک گیا۔ اب وہ قسمت کا گلہ نہیں کرتا تھا۔

تاج کا شکر جس نے موت کو حسین بنادیا تھا اور جس نے اپنی آنکھوں سے نکلے چہرے آفسو کو زمانے کے گال پر اپنی تمام تابانیوں سمیت ابدیت میں منجمد کر دیا تھا۔ اب اپنی حسرت ناک موت کا منتظر تھا۔

مصائب و آلام کی اس زندگی سے نہات حاصل کرنے کی خواہش شاہ جہاں کے دل میں ہر وقت تڑپتی رہتی تھی۔ بالآخر جنوری ۱۶۲۷ء میں پوری ہو گئی۔ سات جنوری کا دن تھا۔ شاہ جہاں نے ایک خاص تیل کی مالش اپنے جسم پر کرائی تھی۔ اس سے فائدے کی بجائے نقصان ہوا۔

شاہ جہاں ۱۔ (نقاہت بھری آواز میں)۔ اس تیل کی مالش نے ہمیں مطلق فائدہ نہیں پہنچایا۔ بلکہ اس سے نقصان ہی ہوا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں جان ہی نہیں رہی۔

سید محمد قنوجی ۲۔ خدا کا فضل شامل حال رہا تو آپ عنقریب صحت مند ہو جائیں گے۔

شاہ جہاں ۱۔ سید صاحب۔ اب صحت اور تندہی کی آرزو نہیں ہے اب تو جی چاہتا ہے کہ جلد از جلد اس زندگی کا خاتمہ ہو۔

سید محمد قنوجی ۳۔ زندگی خداوند تعالیٰ نے زندہ رہنے کے لئے عطا فرمائی ہے۔ عالی جاہ اس کا ہر لمحہ صبر اور شکر سے گزارنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور دیکھ سکتے ہو ہر شخص کی زندگی میں ہوتے ہیں عالی جاہ!

شاہ جہاں ۴۔ آپ درست فرماتے ہیں سید صاحب۔ مگر واقعہ یہی ہے کہ ہم اب اس دنیا کے افکار سے آزاد ہونا چاہنے کے متمنی ہیں۔ موت تو مقررہ وقت پر ہی آئے گی۔ لیکن اس کو قریب تر دیکھنے کی آرزو وجود میں پیدا ہو گئی ہے مثلاً یہ نہیں مٹ سکتی۔ سید محمد قنوجی ۱۔ عالی جاہ افکار و آلام سے آزادی حاصل کرنے کا حل موت نہیں پیش کرتی۔ موت کے بعد بھی ان کا مجموعہ انسان کو ستا سکتا ہے۔ دعا کیجئے کہ آپ کی دوسری زندگی ہر قسم کے نمود سے پاک ہو۔

شاہ جہاں ۵۔ سید صاحب، ہم ہر وقت بارگاہِ انبوی میں یہی دعا مانگتے رہتے ہیں۔ اس زندگی سے ہم مطمئن ہیں زندگی کے ہر ستر برس پورے ہو چکے ہیں۔ اس دور ان میں ہم نے فتح و ظفر دیکھی ہے۔ ناکامی اور نامرادی سے بھی سابقہ بٹھا ہے۔ سخت پریشانی سے پہلے کئی جنگوں کی خاک چھانی ہے۔ مجھے کبھی سفر کرتے ہیں۔ مشقتیں برداشت کی ہیں۔ خوشیاں دیکھی ہیں اور اب آخری عمر میں پیرو فانی کے چہرے کے بھی سہے ہیں۔ غرض کہ زندگی میں جو ہوتا ہے ہم سب دیکھ چکے ہیں۔ بخدا اب ہم راضی برضا ہیں۔ (ایک خادم اندر داخل ہوتا ہے)

خادم۔ قل الہی۔ وید بندو ابی صاحب تشریف لائے ہیں۔
شاہ جہاں۔ انہیں حاضر کرو۔
خادم۔ بہت اچھا قل الہی!

(چلا جاتا ہے)

شاہ جہاں۔ ہم نے اس وید کی بہت تعریف سنی ہے۔ ہم سے
کہا گیا ہے کہ امراض شکم کے علاج میں مہارت رکھتا ہے۔
سید صاحب معدے کی خرابی نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے۔

عارضہ کے نویں دن وید بندو ابن نے شاہ جہاں کے مرض شکم کو
بالکل دور کر دیا جس سے اس کو قدرے سکون ملا مگر ضعف اور نقابہ
وہیسی کی ویسی قائم رہی۔

سردی شدت کی تھی۔ شربت پیتے پیتے شاہ جہاں کے ہوشوں
پر پیشیاں جم گئی تھیں۔ ضعف و ناتوانی بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔
مرض شکم دور ہو گیا تھا۔ لیکن دوسرے عارضے دن بدن بڑھ رہے
تھے۔ اب ایسا وقت آ گیا تھا کہ درائیں اور غذائیں بالکل بے اثر تھیں۔
دوشنبہ ۲۲ جنوری ۱۶۶۱ء کی رات کے ابتدائی حصے میں زندگی
کی آس باقی نہ رہی۔ دم بہ لب شاہ جہاں نے اپنے ہوش جو اس
مجمع کر کے اپنی بیویوں کو جو اس وقت زندہ تھیں اپنے پاس بلا لیا تھا۔
اکبر آبادی محل اور فتح پوری محل بھی ان میں شامل تھیں۔

شاہ جہاں۔ (عورتوں کو تسلی دیتے ہوئے) نہ نہیں۔ تمہارے

یہ اشک خدا کے اٹل فیصلے کو نہیں روک سکتے۔ صبر کرو۔
خدا کا شکر بجالاؤ کہ وہ ہمیں اس دکھ بھری دنیا سے نجات دلا
رہا ہے

(سب غور میں روتی ہیں)

شاہ جہاں۔ جہاں آرا۔ جہاں آرا۔
جہاں آرا۔ ارشاد اباجی!

شاہ جہاں۔ بیٹا۔ تم نے ہماری بہت خدمت کی ہے۔ خدا
تم کو اجر دے۔ دیکھو۔ ہم وصیت کرتے ہیں کہ اپنی
سوتیلی بھی ہنر بان کو بھول مت جانا۔ ہمیں یقین ہے کہ تم اسے
نہیں بھولو گی۔ لیکن اپنے اطمینان کے لئے ہم تمہیں تاکید
کہہ رہے ہیں اور دیکھو۔ محل کی دوسری خواتین جو ہماری
موت کے بعد لاوارث ہو جائیں گی۔ بیٹا۔ ان کی پرورش کا
ضرور خیال رہے۔ مراد کے یتیم بچوں کا جس طرح تم نے خیال
رکھا ہے اسی طرح ان لاوارثوں کا بھی خیال رہے سن رہی ہو بیٹا۔
جہاں آرا اپنے چچیاں لے کر سن رہی ہوں اباجی!
شاہ جہاں۔ آؤ ہمارے پاس بیٹھو۔ ہم تمہارا سہرا آخری
بار اپنا ہاتھ پھرنا چاہتے ہیں۔

(جہاں آرا، پلنگ پر بیٹھ جاتی ہے اور شاہ جہاں اس کے سر پر
آخری بار اپنا ہاتھ محبت سے پھیرتا ہے)

شاہ جہاں :- (اکبر آبادی اور فتح پوری محل سے مخاطب ہو کر) اس بچی نے ہماری بہت خدمت کی ہے (اکبر آبادی محل اور فتح پوری محل اور زیادہ رونا شروع کر دیتی ہیں)

شاہ جہاں :- حوصلہ رکھو — زندگی اور موت نئی چیزیں نہیں ہیں۔ جو زندہ ہے — ایک دن ضرور مرے گا — حوصلہ رکھو — جہاں آرا — جاؤ بیٹا۔ یہ سامنے والی کھڑکی کے پرٹے کھول دو۔۔۔ ہم آخری بار ارار مجھد بانو کی آرام گاہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

(جہاں آرا کھڑکی کھول دیتی ہے)

شاہ جہاں :- (کھڑکی میں سے تاج محل کو دیکھتا ہے) کاش کہ ہم اپنی زندگی کے تمام حسین غیالات اسی طرح ابدیت میں ڈھال سکتے — کتنا خوبصورت روضہ ہے — ار مجھد بانو ضرور مطمئن ہوگی — آہ!

اس کا نام لیتے ہی سمن برج پھر سے آباد ہو گیا ہے — جمنی کی لہریں پھر سے متکلم ہو گئی ہیں — شاہ جہاں پھر انہی دل فریب لمحات میں سانس لینے لگا۔

(د سانس اکھڑ جاتی ہے)

شاہ جہاں :- اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ۔۔۔ اسے میرے خداداد نیا اور آخرت و دنوں میں مجھ پر رحم کرو اور نار جہنم سے بچا۔

دعا ختم ہونے کے بعد شہاب الدین شاہ جہاں تاج محل کا مفکر ہمیشہ کے لئے سو گیا۔ رات کے ساڑھے دس بجے تھے۔ وہ سمن برج میں ایک لمبے پوڑے پلنگ پر خواب گراں میں غم تھا۔ کھڑکی میں سے تاج محل نظر آ رہا تھا۔

اس چاندنی کی بھوار میں وہ بالکل ایک غراب معلوم ہوتا تھا۔ جو سمن برج میں سونے والا دیکھتا ہو۔

شاہ جہاں کی وصیت تھی کہ اسے تاج میں اپنی آرام جاں کے پاس دفن کیا جائے۔ چنانچہ جنازہ ممتاز محل کے مزار میں لے جایا گیا اور اس کے جسدِ خاکی کو ار مجھد بانو (ممتاز محل) کے پہلو میں عواستِ امت کر دیا گیا۔

طیپوشیہ کی موت

جو لیس سیر، اسکندر اعظم کے بعد دنیا کے بڑے سپہ سالار اور فاتحوں کی فہرست میں نیپولین کا نام آتا ہے۔ اسکندر اور جولیسی سیر کی فتوحات کو ایک زمانہ گزر چکا ہے۔ آج کل نیپولین کا نام ہی سب سے پیش پیش ہے کہ یورپ سے ابھی تک اس جنگ جو انسان کے درشت ناک کارناموں کے نقش نہیں مٹے۔ نیپولین اعظم کی بزرگی کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے اگر ہم میسور کے بادشاہ فتح علی ٹیپو سلطان زندگی کو پیش نظر رکھیں اور دنیا کی ان دو نامور ہتھیروں کے لمحات آخرین کا موازنہ کریں تو ذیل کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

نیپولین کی قوم نے نیپولین کا پورا ساتھ دیا۔ اس کے ہر معرکے میں اس کی قوم بدل و جان شریک رہی۔ اس کے افسر و فواد تھے اور

اس کے ایک اشارے پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار تھے۔ اس کے ہر ٹکس ٹیپو سلطان کے امراء اور ذرائع اس کی تخت نشینی سے لے کر اس کی موت تک اس کے زوال کی تدبیریں سوچتے رہے۔ سلطان کی آستین میں اپنے ہاتھ ہوئے اتنے سانب تھے کہ نیپولین کے دشمن نہیں ہوں گے۔ نیپولین کو جب شکست ہوئی تو اس نے اپنے وطن کو دشمنوں کے سپرد کرنے میں ہی سلامتی سمجھی۔ اس نے اپنے آپ کو بھی دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سینٹ ہلینا میں قید کر دیا گیا۔ جہاں اس نے بڑی تکلیف میں جان دی۔

سلطان کو جب اپنے امراء اور وزرائی سازش کے باعث شکست ہوئی تو اس نے بہادر سپاہی کی طرح اپنی آزادی برقرار رکھنے اور اپنے ملک و ملت کی ناموس بچانے کے لئے شمشیر بکف مرغا قبول کیا۔

پروفیسر جاسٹینو سلطان کے متعلق کہتے ہیں: "اس کے حریف ہمیشہ اس کو مٹانے پر آمادہ اور اندرون سلطنت اس کے خاص افسر اس کے زوال کے لئے سازشیں کرتے رہے۔ مگر یہ سلطان ہی کا دل و حکم تھا کہ سترہ سال تک ان سب گانہایت خوبی اور کامیابی سے مقابلہ کیا۔" اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم ٹیپو سلطان کے آخری لمحات بیان کریں گے کہ وہی ہمارے موضوع سے متعلق ہیں۔

سلطان کانٹر اقبال ڈوب چکا تھا۔ اتحادیوں کی حال کامیاب ہو گئی تھی۔ میدان جنگ میں اور اس سلطنت میں ہر جگہ تک حرام افسر اتحادیوں کی انگلیوں پر رقصاں تھے۔ میدان جنگ میں سلطان کو

خبر پہنچی کہ سرنگاپٹم پر حملہ کی تیاری ہو رہی ہے۔ اور میر قمر الدین نے غدار کی کہہ کے انگریزی فوج کا کورنگ میں مقابلہ نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے جنرل اسٹوارٹ بغیر کسی رکاوٹ کے پایہ تخت تک پہنچ گیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان دارالسلطنت کو روانہ ہوا۔ ^{ذوق} مدافعت کے سلطان کے پلٹتے ہی انگریزی فوج بغیر کسی مدافعت کے سرنگاپٹم پر ٹپڑھی اور جنرل اسٹوارٹ کی فوج کے ساتھ مل کر ان مرد جوں پر قابض ہو گیا۔ جو سلطان نے قلعہ کے سامنے شمال میں بنوائے تھے۔ یہاں بھی سازش کے باعث مدافعت بالکل نہ ہوئی۔ غرض جب انگریزی فوجوں نے سرنگاپٹم کے اطراف میں اچھی طرح ضروری اور مضبوط مقامات پر قبضہ کر لیا تو۔

غیر باری شروع ہوئی۔ جس کے باعث قلعے کا دیوار پھٹنی ہو گئی۔

ٹیکو۔ ۱۔ تم نے شک حرامی اور غدار کی داستان سن لی۔ سید غفار۔ (دکھ بھرے لہجے میں) ہاں۔ عالی جاہ اسن لی۔ غلام کو یقین نہیں آتا کہ دنیا میں شک حراموں کا وجود ہو سکتا ہے۔ ٹیکو۔ اس لئے کہ تم ٹیکو کے وفادار دوست ہو۔ اس لئے کہ تمہارا دل انسانیت سے لبریز ہے۔ مگر سید غفار! دنیا غداروں سے خالی نہیں۔ اگر دنیا میں غدار نہ ہوتے تو آج بھی اس قدر پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ ہیں قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں ہماری جان ہے کہ ہمیں ان انگریزوں نے اتنا پریشان نہیں کیا۔ جتنا ہمیں اپنے دوست غدار دشمنوں نے کیا ہے۔

نواب حسین علی خاں۔ حضور کو اب محتاط ہونا لازم ہے۔ ٹیکو۔ اب احتیاط کرنے سے کیا ہوگا۔ غدار ہمارے جڑوں میں پانی بکھیر چکے ہیں۔ خدا کی قسم اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ ہمارے دربار میں کون کون آدمی غدار ہے تو ہم ان خبیثوں کو ایسی سزا دیں کہ۔۔۔۔۔ پر اب کیا ہو سکتا ہے۔ دشمن اپنا کام کر چکے ہیں۔ ہمارے گھر کے چراغ ہی سوختے سما مانی کی بنیادیں استوار کر چکے ہیں۔

سید غفار۔ مگر ہمیں ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ ٹیکو۔ ۱۔ سید غفار۔ ہم ناامید نہیں ہیں۔ ٹیکو سلطان کی رگوں میں جب تک حیدر علی کے خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے۔ وہ دشمن کا اسی شرت سے مقابلہ کرے گا۔ سید غفار قسم ہے پروردگار کی یہ انگریز خواہ کتنے بھی طاقتور ہو جائیں ان کے دلوں سے ٹیکو کی دہشت کبھی دور نہیں ہو سکتی۔ سید غفار۔ بالکل درست ہے عالی جاہ! اس کا دشمن کو بھی اعتراف ہے۔

ٹیکو۔ یہ سب کچھ ہے۔ ہمیں اپنی قوت کا بخوبی اندازہ ہے۔ مگر سید غفار جو کچھ گلشن آباد کی سرحد پر ہوا، اس نے ہمارا دل بہت مغموم کر دیا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس موہ جے پر ہماری فوجوں کو کیوں شکست ہوئی۔ کیا اس میں بھی تو کسی سازش کا ہاتھ نہیں؟

سید غفار۔ عالی جاہ! میں اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

صرف شکوک ہی شکوک ہیں۔

ٹیبو بہ (دعا) ظراب کے ساتھ — شکوک — شکوک — ہر طرف
شکوک — قلعے کی دیوار گولہ باری سے پھلنی ہوئی جا رہی ہے
انگریز بڑھتے چلتے آ رہے ہیں اور یہاں ہم شکوک کا ایک
بہت بڑا ڈھیر لے آئے کہ بڑے بڑے ہیں۔ سید فہار انواب
حصین علی خاں سب شکوک اپنے دل سے نکال دو۔ آؤ دشمن
کا جہم کہ مقابلہ کریں — آؤ کوئی تندریر اور سوچیں۔

ٹیبو سلطان کو اپنے افسروں اور معتدلوں کے طرز عمل سے
معلوم ہو گیا کہ ان میں سے کچھ دشمن کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور کچھ
نا تجربہ کاری کے باعث سرگرمی دکھانے سے معذور ہیں چنانچہ اس نے
۲۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو موسیو سپیو اور دوسرے فرانسیسی افسروں کو
بلایا۔

ٹیبو بہ موسیو سپیو اہم نے تمہیں اور تمہارے دوستوں کو اس لئے بلا
کیا ہے کہ چند ضروری باتیں کہنا ہیں۔

موسیو سپیو بہ ارشاد عالی جاہ!

ٹیبو بہ موجودہ حالات تم دیکھ رہے ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ قابل اطمینان
نہیں ہے۔ جن لوگوں کو ہم اپنا دوست یقین کرتے تھے۔ عین
موقع پر دشمن ثابت ہوئے۔ ان کی دغا بازی اور مکاری کو
ہم حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ غم و غصے کی لہریں ہمارے

دل و دماغ پر دوڑ رہی ہیں، اور غنیم کا زور ساعت بساعت بڑھتا
چلا آ رہا ہے۔ کیا ہماری حالت قابل رحم نہیں؟

موسیو سپیو بہ مگر عالی جاہ! آپ کے سارے دوست غدار نہیں۔
ٹیبو بہ۔ موسیو سپیو اہم تمہارے چند بہ دوستی کی قدر کرتے ہیں۔
— یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس وقت تمہیں یاد کیا۔ بلو اب
تمہاری رائے کیا ہے۔

موسیو سپیو بہ ہم نے حضرت کا شک کھایا۔ ہے اور حضور نے ہمیشہ
ہم پر بھروسہ کیا ہے۔

موسیو لائی بہ ہم اعلیٰ حضرت کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کو
تیار ہیں۔ صرف اشارے کی دہم ہے۔

ٹیبو بہ موسیو لائی! تمہاری دوستی پر یقین ہے۔

موسیو سپیو بہ تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے خادمہ مشورہ
دے گا کہ آپ جو اہرات کی پیٹیاں اشرافیاں اور توشے خانے کے
سلار قیمتی سامان لے کر حرم سرا کی خواتین سمیت آدھی رات
کی خاموشی میں قلعہ معلیٰ سے باہر تشریف لے جائیں۔

ٹیبو بہ (سوچتے ہوئے) پھر۔۔۔؟

موسیو سپیو بہ باہر نکل کر دس ہزار سوار اور پانچ ہزار فوج باقاعدہ
پیادہ کا رہبر دست در قہ بیس ضرب ٹوپ کے ساتھ لے لیں
اور یہ سبیل یلغار صوبہ سرا اور قلعہ چتر گڑ پر جا پہنچیں۔

ٹیبو بہ یہاں پھر وہی اعتماد کا طوطا سوال ہے۔

موسیو لائی بہ فدوی اور موسیو سپیو پر حضور اعتماد فرما دیں۔ یہ

قلعہ ہماری تقویٰ میں چھوڑ جائیں۔ جب تک ہم میں سے ایک بھی باقی رہے گا۔ حضور کے ارادے نکاح میں قصور نہ ہو گا۔

دوسرے سبب یہ ہیں اور اگر یہ بات منظور خاطر نہ ہو تو حضرت ہم سب فرانسسینوں کو بیکار کرانگریزوں کے حوالے کر دیں۔ ہم ان کے قبضے میں آگئے تو وہ حضور کے ساتھ مصالحت کی گفتگو شروع کر دیں گے۔ کیرنک انہیں زیادہ تر ہمارے ہی ساتھ کھینچ کر لے جائیں گے۔

ٹیبو: آخر میں ہے تم پر موریسیوس پور۔ تمہارے زخموں پر مرہم یہ کھڑا کیا۔ خدا تمہیں اس کی جزا دے۔ مگر تمہیں تنہا یہ یہ تجربہ قبول نہیں۔

موریسیوس پور: ہاں جہاں ہمدردی دل سے چاہتے ہیں کہ آپ کی پریشانی دور ہو جائے۔

ٹیبو: دوسلو تم غریب الوطن ہمارے بلا۔ یہ پریشان آئے ہو۔ اور تم ہمیشہ ہمارے خلاف فتنہ اور فساد کی کلام بکھرتے رہے ہو۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہم تم جیسے شریف، بہادر، نیک، حلال اور وفادار دوستوں کو دشمن کے حوالے کر دیں۔

موریسیوس پور: یہ اعلیٰ حضرت کی ذرہ پروری ہے مگر حالات بھی کچھ ایسے ہیں۔

ٹیبو: حالات کیسے بھی ہوں۔ اگر ہماری تمام سلطنت تاخت و تاراج ہو جائے تو بھی ہم ملزم کبھی انگریزوں کے حوالے نہیں کریں گے۔ مجھ پر اپنی بے دروغی پر زور ہے کبھی نہیں اٹکائے گا۔ ہم مقررہ کو یہ موقع نہیں دینا چاہتے کہ جب وہ شیریں سوار کے

حالات زبردستی قلم بند کریں، اس کی بلند سیرت کا ذکر کر رہا تو آخر میں یہ بھی لکھیں کہ اس نے حالات سے پریشان ہو کر اپنے فرانسسیسی دوستوں کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا موریسیوس پور۔

اس کے بعد سلطان نے نیک حرام دیوانہ میر صادق اور پورنیا سے فرانسسیسی سرداروں کے مشورے کا ذکر کیا اور رائے طلب کی۔

ٹیبو: کیوں میر صادق تمہارا کیا خیال ہے؟
میر صادق: اعلیٰ حضرت کا فیصلہ اٹل ہے مگر غلام کا خیال کچھ اور ہی ہے۔

ٹیبو: ظاہر کر دو۔
میر صادق: اس قوم نے کس کے ساتھ وفا کی۔ ہے جو آپ کے ساتھ کریں گے۔

پورنیا: فرانسسیسی اور انگریز دونوں ایک ہیں۔
میر صادق: اعلیٰ حضرت یہ دونوں ایک ہی تھیلی کے پٹے بٹے ہیں۔ یہ دونوں آخر میں ایک ہو جائیں گے۔ نقصان انہیں ہی ہو گا۔ ان سفید چٹری کے آدمیوں کو ہم سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔

پورنیا: سگ زرد بڑا زور شغال۔
میر صادق: حضرت یقین فرمائیں کہ جیسے ہی آپ نے قلعہ ان کے سپرد کیا۔ یہ انگریزوں کے حوالے کر دیں گے۔

ٹھیکو۔ ہمیں ان کی وفاداری پھر پورا پھر دوسرے ہے۔

میر صادق: غلام نے اپنا خیال ظاہر کر دیا ہے۔ ماننا نہ ماننا اعلیٰ حضرت کا اختیار ہے۔

ٹھیکو: ہمارے اختیار میں بہت سی باتیں ہیں۔ اگر تقدیر پر ہمیں کوئی اختیار ہو تا تو میر صادق آج ہماری صفوں کے درمیان یہ غدار نہ ہو جن کی مکاریوں کے باعث ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔ ہم انگریزوں سے صلح کے طالب ہوئے مگر ان کی طرف سے ایسی ذلیل شرطیں پیش کی گئی ہیں کہ خدا کی قسم ہمارا خون کھوں رہا ہے۔ اگر آج ہمارے دوست ہمارے دشمن نہ ہوتے تو میر صادق تم دیکھتے، ہم دشمن کے تمام ارادوں کو یوں باؤڑ تلے روند دیتے۔ ہم ان کی ذلیل شرائط ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

میر صادق: اعلیٰ حضرت کی مرضی کے آگے ہمارا سر خم ہے۔ ٹھیکو: وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے فرانسیسی دوستوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ ہم ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم خراج ادا کریں۔ ٹھیکو اور خراج گزار؟ ناممکن ہے۔ اور میر صادق: تم نے ان انگریزوں کی بے ایمانی دیکھی۔

میر صادق: کیا اعلیٰ حضرت!

ٹھیکو: تم ابھی ہم سے پوچھتے ہو کہ کیا؟۔ انہوں نے شرائط ماننے کے لئے ہمیں چوبیس گھنٹے کی مہلت دی ہے۔ لیکن اس دوران میں براہِ قلعے پیر گولہ باری ہو رہی ہے۔ اس لئے بے اصولی نے ہمیں بہت فحشہ آلود کیا ہے۔

پور دنیا: تو اب حضور کا کیا ارادہ ہے؟

ٹھیکو: بدر الزمان غلام ناطق کو ہمارے حضور میں بلایا جاتے۔ ہم اس کو چند احکام دینا چاہتے ہیں۔

میر صادق: بہت اچھا عالی جاہ!۔ میں انہیں ابھی آپ کی خدمت میں حاضر کرتا ہوں۔

(چلا جاتا ہے)

ٹھیکو: (اضطراب کے ساتھ ٹپکتے ہوئے)۔ کاش ہمیں ان غداروں کا پتہ چل جاتا پھر دنیا۔۔۔ ان انگریزوں کو ہمارا گھر جلانے کے لئے ہمارے ہی گھر کے چراغ مل گئے ہیں۔ ہم اللہ کی شرائط ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

(میر صادق، بدر الزمان ناطق کے ہمراہ اندر داخل ہوتا ہے)

میر صادق: عالی جاہ! حسبِ الحکم بدر الزمان غلام ناطق حاضر ہیں۔

ٹھیکو: بدر الزمان آؤ۔ ہم تمہیں چند احکام دینا چاہتے ہیں۔

بدر الزمان: ارشاد عالی جاہ۔

ٹھیکو: تمام جواہرات اور خزانہ۔۔۔ تو شے خزانے کا تمام اعلیٰ سردار صنفِ قوں میں بندہ کر کے اونٹوں پر لٹا دیا جائے۔ حرمِ سدا کی زنا نہ سوار یوں کے لئے تیز رفتار بیلوں اور گھوڑوں کا فوراً انتظام کر دیا جائے۔ ہر اہی کے لئے ہم نہایت معتد اور جانثار افسر مامور کر دیں گے۔

بدر الزمان: عالی جاہ! آپ کا حکم سر آٹھوں پر مگر غلام کچھ عرض کرنے کی اجازت مانگتا ہے۔

ٹھیکہ دار تمہیں اجازت ہے۔ کہو۔ کیا چاہتے ہو؟
میرزا سردار نے قید عالم جیسے ہی حضور کا معہ خواتین حرم سرا قلعہ
چھوڑ کر باہر تشریف لے جانا معلوم ہو گا تو سب جاں نثاروں
کی نصیحت ٹوٹ جاسے گی اور شیرازہ جمعیت قائم نہ رہے گا۔
میرزے نے منہ میں خاک، لیکن اس وقت یہ عملی شاہانہ شان
کے بھی مطابق ہے۔

ٹھیکہ دار: میر صادق۔ پورنیا۔ تمہاری کیا رائے ہے؟
میر صادق: میرا خیال ہے کہ حضور کا قلعہ نہ چھوڑنا مصلحت کے
عین مطابق ہے۔

ٹھیکہ دار: تم کیا کہتے ہو پورنیا؟
پورنیا: عالی جاہ۔ میں بھی دربار صاحب سے متفق ہوں۔
بعد از نماز: میرزے نے کیا حکم ہے عالی جاہ؟
ٹھیکہ دار: تم جانتے ہو بعد از نماز (ٹھنڈی سانس بھر کر)۔۔۔ رضائے
مولا برہمہ ادنیٰ۔

خدا نے قادر کی رضا پر راضی ہو کر سلطان نے اپنا ارادہ
تبدیل کر دیا۔۔۔ امراء کی سازش کا صواب ہوئی۔ سلطان
حیران تھا کہ اسی کے سردار عجب متعین ہیں۔ مگر ان سے کچھ بھی نہیں
ہوتا۔ ظاہر ہے کہ بغیر سازش کے یہ ممکن نہیں۔ ان حالات کے پیش نظر
سلطان نے حرم سرا کے چاروں طرف خندق کھدوا کر بارود بھردی
تاکہ انگریز جب اندر آجائیں تو حفظ ناموس کے لئے حرم سرا کو آڑ دیا

جائے۔ سرداروں کو سوار اور پیادہ فوج کے ساتھ ضروری مقاموں پر
دامور کیا اور ایک فوج انگریزوں کا سامان رسد رکھنے کے لئے روانہ
کی۔ سلطان کے کسی حکم کی تعمیل نہ ہوئی۔ اس لئے کہ ان میں سے اکثر
غدار تھے۔
چار مئی صبح کا ذکر ہے۔

مجموعی: عالی جاہ! میں آپ کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کے لئے حاضر
ہوا ہوں۔

ٹھیکہ دار: بولو۔ تمہیں کیا عرض کرنا ہے۔

مجموعی: حضور ستاروں کا حساب لگانے پر معلوم ہوا ہے کہ آج
کا دن اعلیٰ حضرت کے لئے نہایت منہوس ہے۔

ٹھیکہ دار: تو کیا کرنا چاہتے؟

مجموعی: حضور کو صدقہ دینا چاہتے۔ غسل فرمانے کے بعد عالی جاہ
صدقہ ضرور دیں۔

ٹھیکہ دار: ضرور دیں گے۔ ہم غسل کر چکے ہیں۔ جانتے ہو ان سے
کہو کہ ایک ہاتھی کا لے محل کی جھولی سمیت، جس کی چھالوں میں کئی
سیر کے موٹی اور چھالے ہوئے ہیں۔ درویشوں کو دیار یا
جائے۔

مجموعی: حضور کا اقبال دن بدن ترقی پر ہو۔ (چلا جاتا ہے)
ٹھیکہ دار: (دیر لے کر منتنا ہے) حضور کا اقبال دن بدن ترقی پر ہو
(ایک خادم آتا ہے)

خادم ۱۔ عالی جاہ! آپ کے ارشاد کے مطابق قلعے کی شمالی فصیل کے پاس سایہ دار تخت کے نیچے آپ کا خاصہ من دیا گیا ہے۔
ٹھیکو۔ چلو ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔

سلطان نے ابھی خاصے کا ایک لقمہ تناول کیا تھا۔ اور دوسرا لقمہ اٹھانے ہی والا تھا کہ وادیا کرتے ہوئے لوگ آئے کہ سید غفار نے اپنی جان شاہ پر نشان کر دی ہے۔ سلطان نے اس لقمہ کو دیا ہی چھوڑ کر دسترخوان سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اور ٹھنڈی سانس بھر کر سلطان نے دونوں بندوق اٹھائی اور چھوٹے دروازے سے باہر نکلا۔ اس وقت سلطان نیم رنگ کپڑے کی قبا پہنے ہوئے تھا شاہانہ پگڑی سر پہنتی۔

جس وقت سید غفار کے گولہ لگا۔ دو پہر کا وقت تھا۔ سپاہ برابر مستعدی سے اپنے کام میں لگی ہوئی تھی۔ اسی دوران میں پورنیا کا حکم آیا کہ فوجوں کو تنخواہ تقسیم ہو رہی ہے۔ اس لئے سپاہی آکر اپنی تنخواہ لے جاتیں۔ اندرونی سازش یہ تھی کہ جب سپاہ یہاں سے ہٹ جائے تو انگریزی فوج کے چڑھ آنے کے لئے اشارہ کر دیا جائے۔ سپاہی تنخواہ لینے کے لئے مسجدِ عالی کے پاس چلے گئے۔ اور انگریزی فوج اشارہ پا کر آسانی کے ساتھ فصیل پر چڑھ کر قلعے کے اندر داخل ہو گئی۔

انگریزی فوج میں جو شخص سب سے اول تھا۔ جنرل بیرڈ تھا۔ مگر اس کی رہنمائی کے لئے ایک اور شخص اس سے آگے آگے تھا۔

میر قاسم علی۔

انگریزی فوج انہی غداروں کی مدد سے فصیل پر قابض ہو کر قلعے کے اندر داخل ہو چکی تھی۔ سلطان قلعے میں داخل ہونے کے لئے جب دھڑی دروازے پر آیا تو اسے بند پایا۔

ٹھیکو۔ یہ دروازہ اندر سے کس نے بند کیا ہے؟
ایک سپاہی ۱۔ عالی جاہ! آپ جب اس دروازے سے نکل کر باہر تشریف لے گئے تھے تو دیوان صاحب آپ کے پیچھے آئے تھے۔
ٹھیکو۔ میرے پیچھے پیچھے آیا تھا تو کدھر گیا۔ اب کہاں ہے۔
یہ دروازہ کس نے بند کیا ہے؟

سپاہی ۱۔ عالی جاہ! دیوان صاحب نے ہی دروازہ بند کیا ہے۔
ٹھیکو۔ (حیرت سے) کیا کہا۔ میر صادق نے یہ دروازہ بند کیا ہے!
سپاہی ۱۔ ہاں عالی جاہ! انہوں نے اپنے ہاتھ سے دروازہ بند کیا ہے۔
ٹھیکو۔ اسی نے کیا ہو گا۔ اب تک اور میر بھی تو کئی دروازے بند کر چکے ہیں۔ ہم سوئے رہے۔ ہم غافل رہے۔

(ایک سپاہی بھاگتا ہوا آتا ہے۔)

ٹھیکو۔ کیا ہوا تم انٹے درخت زدہ کیوں ہو؟
دوسرا سپاہی ۱۔ (ہانپتے ہوئے) عالی جاہ۔ انگریزی فوج قلعے میں داخل ہو کر اس مقام پر آ گئی ہے۔

ٹھیکو۔ کس مقام پر؟
دوسرا سپاہی ۱۔ یہاں سے بالکل قریب عالی جاہ! آپ کہیں چھپ جائیں۔

ٹھیکوہ۔ دوست گیارہ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی
ابھی ہے۔

جہاں سلطان مبارہ ہاتھ ایک طرف تو انگریزی فوج سے جو تفصیل
پر تھی اور دوسری طرف ساسنے اور پیچھے سے انگریزی فوج کے دوسرے
حصے سے سلطان کے سپاہیوں کا مقابلہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد
سلطان مرہ اپنے جاں نثاریوں کے محصور ہو گیا۔

بندوقوں کے فائر کے ساتھ ہی ساتھ دستہ بدستہ لڑائی شروع
ہو گئی۔ خوب نقصان کی جنگ ہوئی۔ ناگاہ ایک گولی سلطان کے گھڑے
کے لگی۔ گھوڑا اور میں مر گیا۔ اب سلطان پیادہ ہو کر لڑنے لگا۔
چونکہ فسادوں سے معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان بذات خود اس جنگ میں
شریک ہے۔ لہذا تمام انگریزی فوج پوری طاقت سے اس جگہ مصروف
ہو گیا۔ جہاں سلطان ایک جنگ جگہ میں محصور تھا۔ اس دست
بدست لڑائی میں جس میں سلطان واد شجاعت دے رہا تھا۔ ناگاہ
ایک گولی سلطان کے دل کے قریب لگی۔

ٹھیکوہ۔ (زخمی ہو کر) راجہ خاں۔ راجہ خاں۔

راجہ خاں۔ عالی جاہ!

ٹھیکوہ۔ ادھر آؤ۔ ایک لمحہ کے لئے لڑنا موقوف کر کے ادھر
میرے پاس آؤ۔

راجہ خاں۔ سلطان کے پاس جا کر۔ ارشاد عالی جاہ!

ٹھیکوہ۔ ہم زخمی ہو گئے ہیں راجہ خاں۔

راجہ خاں۔ (سینے سے لہو نکالتا دیکھ کر) عالی جاہ!۔ میرے منہ
میں خاک، مگر آپ کے تو بہت جہلک زخم لگا ہے۔

ٹھیکوہ۔ گولی کا زخم اتنا جہلک نہیں راجہ خاں۔ چار سینہ اندر ہی
زخموں سے پھلنی ہو چکا ہے۔

راجہ خاں۔ عالی جاہ!۔ اب حالات کا تقاضا یہ ہے کہ آپ
اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر کر دیں۔

ٹھیکوہ۔ راجہ خاں! کیا تم دیوانے ہو گئے ہو۔ خاموش رہو۔

سلطان کو فدا سپاہیوں نے اٹھا کر ایک پالکی میں لٹا دیا۔ یہ
پالکی دروازے میں رکھ دی گئی۔ سلطان اس پالکی میں ہی تھا کہ
ایک انگریز سپاہی کا گزرا ادھر سے ہوا۔ اس نے سلطان کی تلوار اور
پیشی پھینا چاہی۔ جب اس نے ہاتھ دراز کیا تو سلطان نے تلوار سے
اس کے پاؤں پر ضرب لگائی۔ اس پر اس انگریز سپاہی نے اپنی بھری
ہوئی بندوق سلطان پر خالی کر دی۔ جس سے شیر میسور کی روح قضی
عنصری سے پرواز کر گئی۔

جب سلطان کی موت کی خبر جنرل ہارس کو پہنچی تو وہ لاش پھاڑا
فخر مسرت سے پکارا اٹھا "آج ہندوستان ہمارا ہے۔"

اسے مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ اسی علم کی وساطت سے زارینہ سے اس کا تعارف ہوا۔

واقعات بتاتے ہیں کہ بہت جلد راسپوٹین نے زارینہ کو سمجھ کر لیا۔ اس کے علاوہ اس نے شاہی محل کی تمام پیش خیزوں، زارینہ کی تمام خوب صورت سہیلیوں اور خاندان شاہی کی قریب قریب تمام بیگموں کو اپنا مرید بنا لیا۔ یہ تمام عورتیں برضا در غبت اس کی غور باتوں کے سامنے جھک گئیں۔

یہ بات بہت ہی شرمناک ہے مگر حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ خود زارینہ کو بھی آہستہ آہستہ اس کا یقین ہو گیا تھا کہ جب تک راسپوٹین کے ساتھ جسمانی گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے گا خدا کے ہاں نجات ممکن ہی نہیں۔ عورتیں چھپ چھپ کر اور بھیس بدل کر اس شیطان راہب کے پاس جاتی تھیں۔ نہیں معلوم کہ اس میں ایسی کوئی طاقت تھی کہ عورت سامنے آتے ہی بالکل مسحور اور بے بس ہو کر رہ جاتی تھی۔

جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی، زار اور زارینہ کو یقین تھا کہ راسپوٹین خدا کی طرف سے اس لئے آیا ہے کہ روس کو فتح و ظفر اور عزت و شان سے ہم آغوش کر دے۔ لیکن راسپوٹین اصل میں جرمیں جاسوسی تھا۔ اور اس کی کوشش یہی تھی کہ روس اپنے اتحادیوں سے جدا ہو کر جرمین سے صلح کر لے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مدد درجہ غلیظ ہونے کے باوجود راسپوٹین سے نہ زارینہ کو گھس آتی تھی نہ کسی دیگر خاتون کو ذوہ بالکل

راسپوٹین کی موت

راسپوٹین دنیا کا سب سے زیادہ گنہگار اور بے خصلت انسان جو روس میں پیدا ہوا، ولی یقین کیا جاتا تھا مگر درحقیقت وہ ایک شیطان تھا۔ جس کے ہاتھوں زار روس کی عظیم الشان سلطنت پر باد ہوئی۔ اس کی گناہوں بھری زندگی اس قدر حیرت خیز ہے کہ اس پر کسی خیالی افسانے کا گمان نہ ہوتا ہے۔

چھوٹے بچے قدر کا یہ گمراہ لڑکھلڑکے راہب جس کا سر گدیہ نما تھا۔ کئی سال روس پر اپنی شیطان صفت کی بدولت حکمران رہا۔ اس کی حیرت انگیز قوت کار از اس چیز میں مضمر ہے کہ ہینٹنٹرم میں اسے کمال حاصل تھا۔ اس قوت کے ذریعہ سے وہ مضبوط ترین آدمی کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا۔ ہینٹنٹرم جاننے کے علاوہ علم کشف میں بھی

فصل نہیں کرتا تھا۔ اس نے کبھی منہ ہاتھ بھی نہیں دھو یا تھا۔ اس کے بدن سے سونت بدبو آتی تھی۔ اس کے لمبے لمبے ناخنوں میں ہر وقت میل بھرا رہتا تھا۔ ڈاکٹر بھی اس کی بے حد مکرورہ تھی۔ جس کے بال میل اور چکنا چٹ کے باعث آپس میں جیسے رہتے تھے۔ بہت ہی بدتمیز تھا۔ یہ بھی آدمی اس کے خلاف ہاتھ سے کھانا کھاتا تھا۔ اور اپنی بھری ہوئی انگلیاں شہزادوں کی طرف بڑھا دیتا تھا۔ جو ان کو جہس کر صاف کر دیتی تھیں۔

۱۹۱۶ء کے آخر میں روس کی ناگفتہ بہ حالت تھی۔ ٹوہائی سال سے ملک میں بد امنی اور قحط کا دور دورہ تھا۔ فوجوں کے سپاہی اپنے وطن کی صحبت کا جذبہ دل میں رکھتے تو کھے، لیکن وہاں ایک بے مقصد لڑائی لڑتے لڑتے اکتا گئے تھے۔ جس میں انہیں پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہیں ہو رہا تھا۔ ان کو حکومت کی طرف سے پورے ہتھیار بھی نہیں دیتے جاتے تھے کہ وہ تیرمنوں کا طریق احسن مقابلاً کر سکیں۔ چنانچہ فوجوں میں بددلی پھیل گئی اور ۱۹۱۶ء میں وہ لاگھ روسی سپاہی بستر بیدار باندھ کر اپنے اپنے گھر چل دیئے۔

جب حالات اس درجہ مکتد ہو گئے تو شاہی خاندان کے مردوں کے کان کھڑے ہوئے۔ چنانچہ گراڈ ڈریک ٹکوس اور میکائیل کی سرکردگی میں ایک وفد زار کے پاس گیا۔ اور زار مینہ کے چال چلون پر شعبہ کا اظہار کیا اور درخواست کی کہ ملک کی بد حالی اور بد انتظامی دور کرنے کے لئے فوری طور پر کچھ کیا جائے۔ زار نے اس وفد کی کوئی بات نہ سنی۔ چنانچہ اس کے رشتہ داروں نے سوچا کہ روس کو بچانے کے لئے

اب ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے۔ وہ یہ کہ خود کھ کیا جائے چنانچہ سینٹ پیٹرز برگ میں امرانے شاہی محل کی آخری سازش کا انتظام کیا۔ پروگرام میں سب سے پہلے واسپوٹین کا قتل تھا۔

۴ دسمبر کی رات کو شاہزادہ یوسوف نے مجلس رقص و سمور قائم کی اور واسپوٹین کو اس میں مار دیا، چونکہ واسپوٹین مرہ سبقی کا دلدادہ تھا۔ اس لئے سازشیوں کو یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔

یوسوف نے شیطان آج ہمارے مال سے بچ کر نہیں جائے گا۔ پال، تم نے زہر کی طرف سے اپنا اطمینان کر لیا۔

پال سینٹ پائوف:۔ کہ چکا ہوں۔ چنانچہ چند قطرے ایک کتے کے حلق میں پھونکے جو فوراً ہی مر گیا اس کی لاش باہر صحن میں پڑی ہے۔

یوسوف پوف:۔ آج اس رات اس کتے واسپوٹین کی لاش بھی اس صحن میں پڑی ہوئی چاہئے۔ تمہارا خیال کیا ہے۔ کہیں دعوت میں آنے سے انکار نہ کر دے۔

پال سینٹ پائوف:۔ میرا خیال ہے کہ انکار نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ ہم اسے ایک معشوقہ کا لالچ بھی تو دے چکے ہیں۔

یوسوف پوف:۔ میں بھول ہی گیا تھا جب اس نے اس معشوقہ کے مہربانی تعریف سنی تو اپنی بھرا یا ہو گا فلیٹ شیطان کے منہ میں۔

پال سینٹ پائوف:۔ باقی لوگ کہاں ہیں؟

یوسوف پوف:۔ سب اپنی اپنی جگہ پر مستعد ہیں۔ تم بے فکر رہو۔

پال سینٹ پائوف:۔ ایسا نہ ہو مجھے دیکھ کر محسوس ہوتا ہے۔ اس سے میری بھی

ملاقات نہیں ہوئی۔

یوسو پوف ۱۔ ستم بے فکر رہو میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ اس سے کہہ دوں گا کہ پال سٹیپانوف اپنا آدمی ہے کوئی غیر نہیں۔
پال سٹیپانوف ۲۔ اچھا بیوں جی سہی۔ میرا تو دل دھڑک رہا ہے۔ کجخت کے اتنے افسانے سن چکا ہوں کہ اب وہ مجھے بھوت معلوم ہوتا ہے۔
یوسو پوف ۳۔ دوست آج یہ بھوت نہیں رہے گا۔ روس کی مقدس سرزمین پر آج اس کا ناپاک وجود نہیں رہے گا۔ کیا ہم سب اس کا حلف نہیں اٹھا چکے اس غدار دیو مال اور گنہ گار انسان کو مارتا ہے۔
بڑا کارٹو اب ہے۔

پال سٹیپانوف ۴۔ اس میں کیا شک ہے۔

یوسو پوف ۵۔ دس بجنے والے ہیں آؤ اب شراب میں زہر ملا دیں۔
پال سٹیپانوف ۶۔ یہ دونوں بوتلیں ہیں ان میں سے ایک میں یہ زہر گھول دو۔ دوسری بوتل میں کچھ نہ ڈالو۔ مگر زہر والی بوتل پر نشان ضرور لگا کر دینا چاہئے ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر گڑبڑ ہو جائے۔

یوسو پوف ۷۔ میں نشان لگائے نہ دیتا ہوں۔ اول تو اس کی کبھی ضرورت نہیں کیونکہ شراب کی طرح دونوں بوتلیں بھی مختلف ہیں۔
پال سٹیپانوف ۸۔ ڈال دو۔ اور اچھو طرح ملا دو۔

شراب میں زہر ملا دیا گیا۔ سب تیاریاں مکمل ہو گئیں پرنس یوسو پوف کے گھر میں کئی آدمی چھپے ہوئے تھے ان میں سے ایک کا نام پرنس متری تھا اور دوسرا پال سٹیپانوف ان کے علاوہ ایک مشہور رقصہ بھی تھی جس کا

لاپچرا سپوٹین کو دیا گیا تھا۔

سب انتظامات مکمل تھے مگر اندیشہ اس بات کا تھا کہ اسپوٹین کہیں پرنس یوسو پوف کی دعوت مسترد نہ کر دے۔ وعدہ خلافی نہ کر جائے رات کے گیارہ بج گئے اور اسپوٹین نہ آیا اب پرنس اور اس کے ساتھیوں کو سخت تشویش ہوئی۔

متری ۱۔ کہیں جاسوسوں نے اس کو ہماری سازش سے آگاہ تو نہیں کر دیا۔
یوسو پوف ۲۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہمارے سوا اس سازش سے اور کون آگاہ ہے اگر اس کو پتہ چل گیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم خود اس شیطان کے جاسوس ہیں۔

پال سٹیپانوف ۳۔ سوال یہ ہے کہ وہ ابھی تک آیا کیوں نہیں ہے۔

یوسو پوف ۴۔ کس مشوقہ کے ہاں رک گیا ہو گا۔

پال سٹیپانوف ۵۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔

متری ۶۔ تمام اندازے پر غور کریں یہ تو ہوتی ہیں۔ جیسے شہر پر ہلکیاں!

یوسو پوف ۷۔ آج آجائے تو یہیں اسلام چھتہ پھڑکے۔

پال سٹیپانوف ۸۔ یوسو پوف تم ٹیلیفون کرو اور اس کے گھر سے پتہ لے کر کہاں ہے۔

یوسو پوف ۹۔ ٹھیک۔ تو میں ابھی کرتا ہوں (خبر ملا ہے)۔ ہلو۔ ہلو۔

مقدس باب کہاں ہیں۔ کیا کہا چلے گئے۔ کب؟ کہاں؟

(ٹیلیفون کا چرہ دنگار کھ دیتا ہے)

پال سٹیپانوف ۱۰ کہاں نکلیا؟

مِٹری: گھر میں نہیں ہے کیا؟
یوسو پوف: فادم بتاتا ہے کہ مقدس باپ ٹھیک گیارہ بجے گھر سے نکل گئے ہیں۔

مِٹری: مقدس باپ۔۔۔ شیطان کا کچھ۔ مقدس باپ!
یوسو پوف: ایسا نہ ہو کہ پہلی سازش دھری کی دھری رہ جائے۔
مِٹری: روس کی نجات اس وقت تک ناممکن ہے جب تک یہ شیطان زندہ ہے اگر وہ آج نہ آئے تو اسے کل بلایا جائے ورنہ کسی نہ کسی جیلے سے اس کا کام ضرور تمام کر دیا جائے۔

پال سٹیپانوف: سب انتظامات مکمل ہیں ایسا موقعہ شاید ہی پھر کبھی ہاتھ آئے۔

یوسو پوف: کچھ دیر انتظار کر لیتے ہیں شاید آجائے۔
پال سٹیپانوف: اگر اسے آنا ہوتا تو اب تک آگیا ہوتا جہاں خوبصورت رقص و سرود اور شراب کا سوال ہو رہا ہے وہ کبھی دیر نہیں کرتا۔ عین وقت پر پہنچا کرتا ہے۔

مِٹری: ہو سکتا ہے کہ ہمارے دعوت میں اسے کوئی دل فریب بات نظر نہ آئی ہو۔

یوسو پوف: دعوت کو دل فریب بنانے میں ہم نے کوئی دقیقہ فراموش نہیں کیا ہے۔ خوبصورت عورت۔ رقص و شراب اور تفریح۔ یہ سب چیزیں ہم اسے دعوت میں پیش کر چکے ہیں اس کے یہاں نہ آنے کی کوئی اور چیز ہے۔

مِٹری: ٹھیک ہے۔ تم نے آواز سنی۔

یوسو پوف: وہ آگیا۔ یہ آواز اسی کی موٹر کی ہے وہ آگیا۔ اب تم سب تیار ہو جاؤ۔ دیکھو ایسی بات نہ ہو کہ وہ تاثر جائے۔

ٹھیک گیارہ بج کر بیس منٹ پر راسپوٹین کی موٹر دروازے پر آ کر رکی۔ وہ اس میں سے اترانے موٹر خفیہ دروازے پر آ کر ٹھکی ٹھکی تھیں۔ وہیں کو بڑی احتیاط کے ساتھ اندر داخل کیا گیا۔ کہ کوئی دیکھنے نہ پائے۔

راسپوٹین اس وقت سیاہ جبہ پہنے تھا۔ جو اہرات سے مرصع عظیم الشان طلائی صلیب اس کے سینے پر ٹٹک رہی تھی۔ اندر داخل ہو کر اس نے بیش قیمت اور کوٹ اتار دیا۔ باہر شدید قسم کی برف باری ہو رہی تھی۔

یوسو پوف: تشریف لے آئیے۔ بے کھٹکے اندر۔ تشریف لے آئیے۔

راسپوٹین: مجھے دیر ہو گئی۔

یوسو پوف: خاص دیر تو نہیں ہوئی۔ نہ ہے نصیب۔ آپ تشریف تو لے آئے ہیں۔

راسپوٹین: جب تم نے بلایا تو مجھے آنا ہی پڑا۔ تمہاری دعوت سے انکار بھی نہیں ہو سکتا تھا جب کہ تم نے۔۔۔۔۔ یہ کون ہے؟

یوسو پوف: مقدس باپ آپ مطمئن رہیں۔ خلوت کا یہاں پورا پورا بندوبست ہے یہ پال سٹیپانوف ہیں۔ میرے ہمارے دوست ہیں۔

ہم پیالہ و ہم نوالہ - آؤ پال امقدس باب کی زیارت کا شرف حاصل کرو۔

راسپوٹین :- (پال کی طرف شفقت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے) تم سے مل کر مسرت ہوئی ہے۔

پال :- ستیا پانوف :- یہ میری عین خوش نصیبی ہے۔

راسپوٹین :- بیشک جاؤ اس کرسی پر بیشک جاؤ۔

پال ستیا پانوف :- (کرسی پر بیٹھ کر) آج پہلی مرتبہ آپ کے دیدار ہوئے ہیں۔ یہ شرف مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ آپ کی عظمت اور بزرگی کا یہ ادنیٰ ثبوت ہے۔

راسپوٹین :- اگر کلوئس دوم روس کا نواسہ ہے تو میں عیسائی مسیح ہوں میں روس کو اور تمام دنیا کو نجات دلانے آیا ہوں زار اور زارینہ میرے سامنے ادب سے جھکتے ہیں اور میرا ہاتھ چومتے ہیں۔ ان کے بچے مجھے سجدہ کرتے ہیں۔ میرا بہت بڑا لقب ہے۔

پال ستیا پانوف :- (مصنوعی طور پر متاثر ہو کر) اس میں کیا شک ہے مقدس باپ :-!

راسپوٹین :- یوسو پوف :- وہ عورت کہاں ہے جس کا تم نے ذکر کیا تھا۔ وہ چیز جو اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتی مگر مجھ سے تعارف کرنے کی خواہش مند ہے۔

یوسو پوف :- ابھی تک نہیں آئی مقدس باپ۔

راسپوٹین :- کیا وجہ ہے اس کے دآنے کی۔ تمہارے بیان کے مطابق اسے میری ملاقات کا اشتیاق تھا۔

یوسو پوف :- جی ہاں۔ بہت زیادہ اشتیاق تھا اور میرا خیال ہے کہ بس آتی ہوگی۔ متری باہر اس کا انتظار کر رہا ہے۔ میں جا کر دیکھتا ہوں۔

راسپوٹین :- جاؤ پرنس متری کو یہاں بھیج دو اور تم اس خاتون کا انتظار کرو۔ یوسو پوف :- بہت اچھا مقدس باپ۔ (چلا جاتا ہے)

راسپوٹین :- پال ! اس عورت کو جس کا ذکر ابھی ہو رہا تھا کیا تم جانتے ہو؟ پال ستیا پانوف :- جانتا ہوں۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔

راسپوٹین :- کیسی ہے؟

پال ستیا پانوف :- بہت حسین عورت ہے اور ناچتی بھی خوب ہے۔ میں نے ایسی رقاصہ آج تک نہیں دیکھی۔

راسپوٹین :- خوب بہت خوب۔

پال ستیا پانوف :- مقدس باپ ہیناٹرم کے متعلق میں بہت کچھ سن چکا ہوں کہتے ہیں کہ ایسا علم موجود ہے جس سے آدمی دوسروں سے دیکھ کر لیتا ہے۔

لیکن مجھے یقین نہیں آتا :-!

راسپوٹین :- (ہنستا ہے) میری رائے پوچھنا چاہتے ہو :-؟

پال ستیا پانوف :- جی ہاں :-!

راسپوٹین :- تم نے سنا ہوگا کہ میں ہیناٹرم کا عامل ہوں۔

پال ستیا پانوف :- جی ہاں۔ آپ کے متعلق یہ بات عام طور پر مشہور ہے۔

راسپوٹین :- جو بالکل غلط ہے۔ خدا نے ذوالجلال نے مجھے جو قوت بخشی ہے اس کو لوگ جہالت اور بیوقوفی کے باعث ہیناٹرم سمجھتے ہیں۔ اس نے مجھے برکت بخشی ہے۔ اس نے مجھے ہدایت کا رہنما بنایا

ہے۔ امن اور نجات کی کلید میرے ہاتھ میں دی ہے۔ دنیا و آخرت میں میرا مقام بلند ہے۔ لوگ ان رفعتوں کو دوسرے رنگ میں دیکھتے ہیں۔ وہ مجھے مہادگر سمجھتے ہیں اس لئے کہ وہ کم عقل اور جاہل ہیں۔ لیکن جو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔

(پرنس متری اندر آتا ہے)

راسپوٹین :- آؤ پرنس متری میں تمہارا ہی انتظار کر رہا ہوں۔

متری :- میں اس خاتون کی راہ دیکھ رہا تھا۔

راسپوٹین :- ابھی تک نہیں آئی۔

متری :- جی نہیں لیکن آئی ہے چاہتی ہے۔

راسپوٹین :- تو بیٹھ جاؤ میرے پاس — بوتل کھلو۔ پیو اور ملاؤ۔

متری :- (پاس بیٹھ جاتا ہے۔ اور زبردستی بوتل کھول کر راسپوٹین کے

گلاس میں شراب انڈرلیتا ہے۔)

فرمائیے کتنی پیئیں گے؟

راسپوٹین :- گلاس بھرو۔ اور پال کو بھی دو۔

متری :- (بوتل میز پر رکھ دیتا ہے۔) لو پال تم بھی لو۔ کیا سوچ رہے ہو

پال ستیپانوف، میں سامنے تصویر کی طرف دیکھ رہا ہوں مصوری کا

تادر نمود ہے۔ مقدس باپ آپ نے ملاحظہ فرمائی یہ تصویر؟

راسپوٹین :- (تصویر کی طرف دیکھتا ہے) منظر کشی خوب کی گئی ہے۔

مجھے اس کا فریم بھی پسند آیا ہے۔ (اس دوران میں پال ستیپانوف

دوسری بوتل سے اپنے گلاس میں شراب انڈرلیتا ہے۔)

متری :- میں آرٹسٹ کا نام بھول گیا ہوں مجھے یوسوفوف نے بتایا تھا۔

بھلا سا نام ہے۔۔۔

پال ستیپانوف :- (گلاس اٹھا کر) مقدس باپ کی صحت کے لئے !

راسپوٹین :- (اپنا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگاتا ہے) متری تم بھی پیو۔

(گلاس غنائفٹ فی جاتا ہے)

متری :- حیرت ہے کہ وہ خاتون ابھی تک نہیں آئی۔ یوسوفوف

شاید ابھی تک اس کا انتظار کر رہا ہے۔

راسپوٹین :- آجائے۔ آج برف باری بھی تو ہو رہی ہے۔

پال ستیپانوف اور متری سخت متحیر تھے کہ راسپوٹین اتنا زہری

چکا ہے۔ جو بارہ آدمیوں کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر اس سے

کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ بالکل تندرست تھا۔ جیسے اس نے کبھی

زہر پیلا ہی نہیں۔

شراب پینے کے بعد اس نے میز پر سے بسکٹ اٹھا کر کھائے

اور باتیں کرتا رہا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اس نے نظر بچا کر اپنا

گلاس کا پتھ کے اس اگالان میں انڈرل دیا تھا جو اس کے ہاتھ رکھا تھا

مگر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نہیں اس نے پتھ زہر ہوتا تھا بھر حال

اس کے متعلق اختلاف ضرور ہے۔

پرنس یوسوفوف اور اس کے ساتھی اوپر کی منزل میں تھے اور

ویرہونے کے باعث سخت پریشان ہو رہے تھے انہیں یقین تھا کہ

راسپوٹین زہر پیتے ہی مر جائے گا۔

جب بہت دیر ہو گئی اور پال اس کی موت کی خوشخبری سنانے کے لئے نہ آیا تو یہ لوگ دبے پاؤں نیچے اتارے اور کمرے کے پاس جا کر تعجب سے راسپوٹین کی باتیں سننے لگے۔

راسپوٹین :- ایک گلاس اور ہے۔

پال :- لیجئے (گلاس میں نہ ہر ملی شراب انڈیلتا ہے)

راسپوٹین :- (گلاس نکالی کر کے) آج سہری غضب کا ہے۔ خون منجمد ہوا جا رہا ہے۔ تین گلاس ختم کر چکا ہوں۔ ابھی تک بدن میں گرمی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن تم لوگ یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف کیا دیکھ رہے ہو۔

پال :- کچھ نہیں کچھ نہیں۔

متری :- (گھبرا کر) یہ صبر بھائی جادوگری ہے۔

راسپوٹین :- (مسکراتے ہوئے) کیا جادوگری ہے؟

جادوگری سب بکو اس ہے تم بہک رہے ہو تمہیں ہو کیا گیا ہے؟

پال :- (اشک کھڑا ہوتا ہے) خدا کی قسم یہ شخص جادوگر ہے۔

متری :- پال پستول نکالو اور ملعون کا ماتمہ کر دو یہ نہ ہر اسے ہلاک نہیں کرے گا۔

راسپوٹین :- (ہنستا ہے) تو مجھے زبردیا گیا ہے۔ درستو۔ اب ہر مجھے

ہلاک نہیں کر سکتا۔ جس شخص کو حکمت الہی نے بھیجا ہے جس کو خدا

نے عین ارادہ سے عنایت کر رکھی ہے اس کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی

نہیں دیکھ سکتا۔ یہ نہ ہر میرا بال تک ٹپکا نہیں کر سکتا۔ (ہنستا

ہے) جادو یو سہو پوف کے پاس جاتا اور دیکھتا کہ وہ حسین عورت آتی ہے یا نہیں اس کے بعد پھر مجھے ہلاک کرنے کی تجویزیں سوچنا پڑا۔ تم پر اپنی برکت نازل کرے۔

متری :- پال اس شیطان کی تقریر نہ سنو۔ اپنا کام کرو۔ اس کے رعب میں نہ آؤ۔

پال :- (اپنے حواس درست کرتا ہے۔ اور جمیب سے پستول نکال کر فائر کرتا ہے۔)

ایک — دو — تین

راسپوٹین کے سینے میں گولیاں اتار کر پال کمرے سے باہر نکلا جہاں اسے پرنس یو سہو پوف وغیرہ ملے پال نے ان سے کہا۔ ”شیطان بالآخر جہنم رسید ہو گیا۔ اب رومس اس کے شر سے آزاد ہے۔“

چنانچہ یہ سب لوگ اوپر کی منزل میں شراب پینے لگے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں انہیں نیچے کی منزل میں کچھ گڑبڑ معلوم ہوئی۔ اتنے میں دروازہ کھلا ہوا اسپوٹین اندر داخل ہوا۔ ان سب کو یقین تھا کہ پھیپھڑے پر گولیاں کھا کر وہ مر چکا ہو گا۔ جب اسے زندہ دیکھا تو ان کے ہوش اڑ گئے۔

راسپوٹین خون میں نہا ہوا تھا لڑکھڑاتا ہوا وہ محل کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔

یو سہو پوف :- متری! کہیں سچ پچ :- راہب خدا رسیدہ ہی تو نہیں۔ متری :- ہو سکتا ہے کہ خدا اس کی حفاظت کر رہا ہو۔

یہ سو پوٹھ ۱۔ زہری کر اور گولیاں کھا کر بھی وہ کج بخت نہیں مرا

متر ۲۔ بڑا سخت جان ہے۔

پال ۱۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

را سپوٹھین ۱۔ (ایک ہاتھ سے اپنا زخم پکڑ کر جس میں سے خون جاری تھا)

تم نے مجھے قتل کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کی ہے۔ لیکن

یہ دیکھو۔ میں زندہ ہوں۔ میں زندہ ہوں اور اسی طرح زندہ رہوں گا

کوئی انسانی قوت مجھے ہلاک نہیں کر سکتی۔ نہ ہر اور یہ سب

گولیاں مجھ پر کیا اثر کر سکتی ہیں۔ (ہنستا ہے)

تم لوگ بیوقوف ہو کیا اب بھی تمہیں میری عظمت پر شک ہے۔

کیا اب بھی تم مجھے ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہو گے۔

بھلا تم کھول دو۔ میں باہر جانا چاہتا ہوں۔ عنقریب خدا مجھے

تم سے انتقام لینے کا موقع عطا کر دے گا۔

پال ۲۔ متری دوڑو اس ملعون کی پیٹھ میں اپنا خنجر دے تاکہ اتار دو

اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ یہ خدا رسیدہ بزرگ نہیں۔ شیطان ہے

جو ہمیں مریعوب کرنا چاہتا ہے۔

را سپوٹھین ۱۔ تم جو قوف ہو۔ تمہارا زہر اور تمہاری گولیاں مجھے ہلاک

نہ کر سکیں۔ یہ خنجر میرا کیا بگاڑے گا۔ آؤ اس کو بھی آڑ مارتے ہو۔

پال ۲۔ متری خدا کے لئے اس کی باتیں نہ سناؤ۔ یہ ہم پر جادو کرنا چاہتا ہے

دوڑو۔ جانے نہ پائے لاؤ۔ خنجر مجھے دو۔

را سپوٹھین نے جب دروازے کا ہتھا گھمایا تو پاں کو جو شہنشاہ آگیا

وہ خرافات کا قائل نہ تھا۔ خنجر لے کر تیر کی طرح دوڑا اور را سپوٹھین کی

پیٹھ میں دسستے تک اتار دیا اب دوس کا یہ دجال را سپوٹھین کی آخری بار لڑکھڑایا

اور فریاد پر اوندھے منہ گر پڑا۔

کہتے ہیں کہ جب اس کی لاش کو اٹھا کر ان لوگوں نے دریا میں پھینکنا

چاہی تو اس وقت بھی را سپوٹھین کے جسم میں جان کی رمت تھی جب اس کو

دراپا بڑد کیا گیا تو ان لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ اب واقعی

را سپوٹھین دوس کا مہیب بھوت مر چکا تھا۔

منٹو ماموں کی موت

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ منٹو ماموں میانی صاحب کے قبرستان سے اٹھ کر گھر چلے آئے تو میں ان سے کیا کہوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں ان کی حیاتِ ثانی کے معجزے کو نظر انداز کر کے ان سے صرف اتنا کہوں گا۔ "منٹو ماموں آپ نے آج تک جتنی غیر ذمہ دارانہ حرکتیں کی ہیں ان میں سب سے زیادہ غیر ذمہ دارانہ حرکت آپ کی موت تھی۔"

بھاولپور میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کرکٹ کا دوسرا ٹیسٹ میچ ہو رہا تھا اور میں ڈرنگ اسٹیڈیم میں بیٹھا طالع یارخان کو میچ کا چشم دید حال نشر کرنے میں مدد دے رہا تھا کہ لاہور سے میرے نام ایک ٹرک کال آئی اور مجھے بتایا گیا کہ آج صبح سعادت حسن منٹو کا انتقال ہو گیا۔ میں فوراً غم سے بے قابو نہیں ہو گیا بلکہ مجھ میں شدید برافروختگی پیدا

سعادت حسن منٹو نے اپنی اس کتاب "جنازے" کا انتساب اُس شخص کے نام کیا تھا، جو ان کی موت پر ایسا ہی مضمون لکھے گا۔ یوں تو منٹو کی موت پر بے شمار مضامین لکھے گئے اور کئی مضامین میں غیر منقطع کے الفاظ میں ان کا منٹو ہی ہوا ہے۔ لیکن منٹو کے بھانجے حامد جلال نے منٹو کی موت پر جو مضمون لکھا ہے وہ ضرور ایسا ہے جو قاتلو کی مشروط "ایسا ہی" پر پورا اترتا ہے۔ ہم انتساب تو حامد جلال کے نام نہیں کر سکتے، کیونکہ پتہ نہیں منٹو کے خیال میں یہ "ایسا ہی" کی شرط پوری کرتا ہے یا نہیں اور کیا معلوم کہ کچھ برسوں یا صدیوں بعد کوئی اور شخص منٹو کی موت پر "ایسا ہی" مضمون لکھے کہ اس انتساب کا حق دار بن جائے۔ لیکن ہم حامد جلال کے مضمون "منٹو ماموں کی موت" کا اضافہ اس مجموعے میں ضرور کر رہے ہیں تاکہ سند رہے اور۔۔۔۔۔

ہو گئی۔ مجھے منٹو ماموں پر انتہائی شدید غصہ آ رہا تھا کہ وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ یہ صلہ کس طرح کر سکتے ہیں لیکن میں نے اس کا اظہار نہیں کیا اور جب میں بولا تو میری آواز سے غیر معمولی تشویش نمایاں تھی۔ میں نے پوچھا۔ کہاں انتقال ہوا؟۔ جواب ملا۔ "گھر پر" اس جواب سے مجھے بڑا اطمینان ہوا کیونکہ مجھے پڑا تھا کہ کہیں وہ اچانک گھر سے باہر کسی اور مقام پر موت سے ہم آغوش نہ ہو گئے ہوں۔ عین ممکن تھا کہ کسی تانگے پر کسی ریستوران میں کسی پبلشر کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے یا کسی فلم اسٹوڈیو میں انہیں اچانک موت آ گئی ہو۔۔۔۔

جب میں اپنی جگہ پر واپس گیا تو میچ کا آنکھوں نہ کھیا ہوا بیان کرنے والے ساتھیوں نے اشاروں سے پوچھا کہ کیا بات تھی۔ میں نے ایک کاغذ پر یہ جملہ لکھ دیا۔ "امپائر نے سعادت حسن منٹو کو آخر آؤٹ کر کے ہچا دیا۔ آج صبح ان کا انتقال ہو گیا۔"

منٹو ماموں کو آؤٹ دینے کے لئے امپائر سے کئی بار اپیلیں کی مابقی تھیں لیکن ہر بار اپیل مسترد کر دی گئی تھی۔ اب ان کی بے صبر اور ڈانڈا ڈول انگلیں ختم ہو گئی تھیں۔ وہ کریکٹ کے کھلاڑی ہوتے تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ کبھی حنیف محمد کی طرح ہوشیار اور محتاط کھلاڑی نہیں بن سکتے تھے جسے وہ لاہور کے تیسرے ٹسٹ میچ میں کھیلنے ہوئے دیکھنے کے بے حد مشتاق تھے۔ اس کا علم مجھے ان کی موت کے چوبیس گھنٹے بعد گھر پہنچ کر ہوا۔ درحقیقت ان کا زندگی کی آخری دو خواہشوں میں سے ایک خواہش یہ تھی تھی۔ اپنی موت سے ایک دن پہلے انہوں نے ایک ریستوران میں اپنے دوستوں سے کہا تھا۔۔۔

"مامد جلال کو واپس آ جانے دو۔ میں اس کے ساتھ ٹسٹ میچ میں منیف کا کھیل دیکھنے جاؤں گا۔"

ان کی دوسری خواہش اس بے یار و مددگار عورت کی موت پر فضا کھینے کی تھی جس کا برہنہ لاش گجرات میں ٹرک کے کنارے پائی گئی تھی۔ اخباروں میں شائع ہونے والی اطلاعات کے مطابق اس عورت اور اس کی ننھی سی بچی کو بس اڑے سے اغوا کیا گیا اور نصف درجن کے قریب میس پرستوں نے اپنا کھانا خواہشات کی تکمیل کی اور تب یہ کڑ کوہِ برفی سر دی میں ان کے چنگل سے نکل کر بھاگی تو اس کے جسم پر لباس کا ایک تار بھی نہ تھا۔ چنانچہ درجنوں ماں بیٹی نے منیف کو دینے والی سڑک میں دم توڑ دیا۔ اس لیے سے منٹو ماموں بے حد متاثر ہوئے تھے اس روز شام کو گجرات سے کچھ دیر ان کے پاس آئے تھے اور انہوں نے حادثہ کی مزید تفصیلات بتائی تھیں۔ اس سے ان میں ضرور اشتعال اور ہجوان پیدا ہوا ہو گا۔ اور میرا خیال ہے کہ اس کے بعد منٹو ماموں نے معمول سے زیادہ شراب پی لی ہوگی جو ان کے لئے ہلک ثابت ہوئی۔

وہ کافی شام گزرنے کے بعد گھر واپس آئے۔ حضور فری دیر بعد

انہیں خون کی قے ہوئی۔ میرے چھ سالہ بچے نے جو ان کے قریب ہی گھر استھا، خون کی دھاریوں کی طرف انہیں متوجہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ کچھ نہیں یہ تو بان کا پیک ہے۔ انہوں نے اسے یہ تاکید بھی کر دی کہ وہ اس کسی سے ذکر نہ کرے۔ اس کے بعد انہوں نے حسب معمول کھانا کھا یا اور سو گئے۔ گھر بھر میں کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ کوئی بات خلاف معمول ہوتی ہے کیونکہ میرے لڑکے نے منٹو ماموں کا راز کسی بڑا بڑ نہیں کیا تھا۔

نہیں ہے غیر مذکور ماموں کو بھی اس کے متعلق کوئی تشویش نہ ہوئی ہو۔ یوں بھی وہ گھروالوں کو ایسے معاملات سے بے خبر رکھنا پسند کرتے تھے کیونکہ ہر طرف سے شراب ترک کرنے کا مطالبہ شروع ہو رہا تھا۔

رات کا پچھلا بہر تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اٹھا کر بتایا کہ وہ شدید درد محسوس کر رہے ہیں اور اب تک بہت سا خون مناسج ہو چکا ہے ان کا خیال تھا کہ ان کا جگر پھٹ گیا ہے۔ ان کی بیوی نے جب یہ دیکھا کہ وہ اس صورت حال کا تین تینا مقابلہ نہیں کر سکتیں تو انہوں نے گھر کے دوسرے لوگوں کو جگایا۔ اور انہیں موت کے منہ سے نکالنے کی جدوجہد شروع ہو گئی۔ اسی سے پہلے کئی شدید علالتوں کے بعد وہ شفا یاب ہو چکے تھے اس لئے کسی کو یہ خیال تک نہیں ہو سکتا تھا کہ اب وہ صرف چند گھنٹوں کے مہمان ہیں۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ انہیں آخرت دینے کے لئے اسپاڑ کی انگلی اسی وقت سے فضا میں بلند ہونی شروع ہو گئی تھی۔ جب مذکور ماموں کو خون کی پہلی قے آئی تھی۔

مذکور ماموں کے آخری لمحات کے متعلق میں نے جو کچھ سنا ہے، اس سے میں کہی اندازہ لگا سکا ہوں کہ کافی زبرد تک انہیں خود بھی یقین نہیں تھا کہ ان کا وقت اب آگیا ہے۔ ڈاکٹر کے انجکشن وغیرہ لگانے کے وسیعہ گھنٹہ بعد تک وہ مایوس نہیں ہوئے تھے لیکن اس علاج کے بعد بھی ان کی حالت غلاف معمول نہیں سنبھلی۔ ان کی نبض برابر ڈوبتی نہ گندہ دردمیں۔ مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ خون کی قے بھی بند نہیں ہوئی۔ صبح کو ڈاکٹر نے تجویز پیش کی کہ ماموں کو ہسپتال پہنچا دیا جائے۔

اس وقت مذکور ماموں کے ہوش وحواس بالکل ہما تھے اور ہسپتال کا

نام سننے پر وہ بول اٹھے۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ مجھے ہسپتال منے بہادر اور ہمیں سکون سے بٹھا کر اپنے دورے۔

گھر کی تمام عورتوں کے لئے یہ منظر ناقابل برداشت تھا۔ انہوں نے رونا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر مذکور ماموں فوراً مشتعل ہو گئے اور انہوں نے غضبناک آواز میں کہا "خبردار جو کوئی رو یا۔" یہ کچھ کچھ انہوں نے اپنا منہ رضائی سے بند کر لیا۔

مذکور ماموں کا یہ اصلی روپ تھا۔ جس شخص کی زندگی کا کوئی گوشہ آج تک دنیا کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہا تھا، وہ کس طرح برداشت کر سکتا تھا کہ لوگ اسے مرتا ہوا دیکھیں۔ مذکور ماموں مجسم غیظ و غضب بنے ہوئے تھے۔ معلوم نہیں وہ اپنے آپ سے ناراض تھے یا شراب جو ان کی قبل از وقت موت کی ذمہ دار تھی۔

ایمبولینس آنے سے پہلے صرف ایک یادوار انہوں نے اپنے منہ سے رضائی ہٹائی۔ انہوں نے کہا۔ "مجھے بڑی سردی لگ رہی ہے اتنی سردی شاید قبر میں بھی لگے گی۔ میرے اور ہر اور رضا سیاں طحال دو کچھ دیر توقف کے بعد ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی تپک نمودار ہوئی۔ انہوں نے آہستہ سے کہا "میرے کوٹ کی جیب میں ساڑھے تین روپے پڑے ہیں۔ ان میں کچھ اور پیسے ملار تو میری کسی اور جیب میں شراب کے لئے ان کا اصرار جاری رہا اور ان کی قلی کے لئے ایک پونہ لیا گیا۔ انہوں نے بوتل کو بڑی عجیب اور آسودہ نگاہوں سے دیکھا اور کہنے لگے "میرے لئے دو پیگ بنا دو۔" اور یہ کہتے ہوئے دردمند شدیدی نشہ دورے کے باعث وہ کانپ سے اٹھتے۔

منظور ماموں کی آنکھوں میں اس وقت بھی اپنے لئے رحم کا کوئی شائبہ
موجود نہ تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ ان کا وقت آ پہنچا ہے۔ لیکن ایک بار
بھی اور ایک لمحے کے لئے بھی انہوں نے اپنے اور پہلے جلد بائیت طاری
نہیں ہونے دی۔ انہوں نے اپنے بچوں یا کسی اور کو اپنے پاس نہیں
بلا یا۔ وہ (گاہ واپسین یا وصیت کے کبھی قائل نہیں تھے۔ ان جیسی
خصیصوں کے لئے زندگی اور موت کے درمیان صرفا صل بہت ہی مجہم
اور غیر واضح ہوتا ہے اور یہاں ہونا بھی چاہئے، کیونکہ ان کی زندگی اور
مرگ تو پہلے ہی ان کے جسم سے ان کی کتاہوں میں منتقل ہو چکی ہوتی
ہے وہاں پہنچ کر انہیں غیر فانی ہونے کا یقین ہو جاتا ہے وہاں وہ
ابد تک زندہ رہتے ہیں۔ ہنستے ہوئے رہتے ہیں۔ محبت کرتے
رہتے ہیں۔

بستر مرگ پر منظر ماموں نے شراب کے سوا کوئی اور چیز نہیں مانگا
انہیں بہت پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ شراب ان کی مباحی دشمن ہے
اور وہ اس سے موت کا ہم معنی سمجھنے لگے تھے جس پر جسمانی فتنہ کسی
مردت میں ممکن نہیں ہے۔ جس طرح موت کے آگے کوئی انسان پیش
نہیں پاسکتا اسی طرح منظر ماموں شراب کے سامنے بالکل بے بس
ہوتے تھے۔ لیکن ان کی فطرت چونکہ ہمیشہ سے باغیانہ تھی اس لئے
انہوں نے موت سے بھی بغاوت کی تھی۔ انہیں شکست سے بھی
سخت نفرت تھی خواہ وہ موت کے ہاتھوں ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہی
وجہ تھی کہ وہ موت سے تنہائی میں آنکھیں چا کر مرنے چاہتے تھے۔ جہاں
کوئی انہیں مرنے نہ دیکھ سکے۔ جہاں کوئی ان کی شکست کا نظارہ

ذکر سکے۔

ان سے کم درجے کا آدمی شاید ایک ٹھرا مافی موت کا اہتمام کرتا تاکہ
اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کا چرچا کریں۔ اس پر مضامین لکھے
جائیں اور اس کے اعزاء احباب کہہ سکیں کہ اس کی زندگی ضرور ایسی تھی
جیسے ہم پسند نہیں کرتے تھے، لیکن مرنے سے پہلے وہ مفعل ہو گیا تھا اور
اچھا آدمی بن گیا تھا۔ لیکن منظر ماموں ریاکار نہیں تھے۔ انہوں نے
اس خواہش کا سختی سے مقابلہ کیا۔ ان کی موت کے وقت صرف ایک
بوسہ ٹھرا مافی تھا یعنی شراب طلب کرنے کا منظر۔ لیکن اس کا فائدہ
بھی مرکزی کردار کو پہنچ سکتا تھا کیونکہ اس کا صمیم مفہوم صرف وہی
سمجھ سکتا تھا۔

میں اس وقت موجود ہونا تو مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے ذہن کو
ایک حد تک میرے سامنے بے نقاب کر دیتے۔ اور یہ کچھ مشکل
بھی نہیں تھا کیونکہ انہیں صرف اتنا کہنے کی ضرورت تھی۔ سانپ
اور انسان کی کھانی نہ بھجھ لے۔ میں اپنے سر کے اثبات میں جنبش دیتا
اور شراب کا آخری جام انہیں پینے کو دے دیتا۔ صرف یہی ایک
جملہ ہر بات واضح کر دینے کے لئے کافی ہوتا۔ سانپ اور انسان
کی کھانی صرف اتنی تھی کہ ایک آدمی نے اپنے دوستوں کے منع
کرنے کے باوجود ایک زہر پلا سانپ پال رکھا تھا اور ایک دن سانپ
نے سارا زہر اس کے جسم میں اتار دیا، تو اس نے بھی سانپ کو
پکڑ لیا اور اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا۔

ایسے لوگ جیسے ہی دروازے پر آ کر کھڑی ہوتی۔ انہیں نے

نثر اب کا بھر سٹالہ کیا۔ ایک قہر و مسکمی ان کے منہ میں طراں دی گئی۔
 لیکن شاید ایک قطرہ مشکل سے ان کے حلق سے نیچے اتر سکا ہوگا
 باقی شراب ان کے منہ سے گر گئی اور ان پر غشی طاری ہو گئی۔ زندگی
 میں یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اپنے ہوش و حواس کھوئے
 تھے۔ انہیں اسی حالت میں ایکو لنس لٹا دیا گیا۔

ایکو لنس ہسپتال پہنچی اور ڈاکٹر انہیں نہ سمجھنے کے لئے اندر
 لگئے تو مہتر ماموں مرچکے تھے۔ دوبارہ ہوش میں آنے بغیر
 دراستے ہی میں ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

ۛ

سعادت حسن منٹو اردو کا بہت بڑا افسانہ نگار

منٹو کو زندگی کم ملی، پر بڑی جھیلنے والی زندگی۔ اور وہ ساری
 عمر اس سے جھیلتا، اُسے چراتار ہا اور کم وقت ملنے کے باوجود
 بہت سی عمروں سے بڑا تخلیقی سیرنا یہ ہماری نذر کر گیا۔ اُسے مرے
 ہوئے اب ۲۰ سال ہو رہے ہیں۔ ان ۲۰ سالوں میں اردو کے کتنے
 قہر آوروں افسانہ نگار پڑائے ہوئے مگر منٹو آج بھی نیا ہے، آج
 بھی تازہ ہے، آج بھی زندہ۔ بار بار پڑھے جانے پر بھی وہ
 اپنی افادیت اور اہمیت نہیں کھوتا بلکہ اس کی سرکشی اور سرکشیدگی
 پہلے سے کچھ سوا اپنی نظر آتی ہے۔ اردو کے اس سب سے بڑے
 مشہور اور بدنام مصنف کی کتابیں عرصہ دراز سے نایاب تھیں
 ساقی بک ڈپو نے ان کے نئے ایڈیشن شائع کئے ہیں۔

۲۴	۱۸/۰	۱	حیفہ فرشتہ	۲۴
۱۵/۰	۱۲/۵۰	۱	تلخ، ترش اور شیریں	۱۵/۰
۱۱/۰	۲۴/۰	۱	لذت سنگ	۱۱/۰
۱۴/۰	۱۱/۰	۱	پھندے	۱۴/۰
۹/۰	۱۵/۰	۱	تین عورتیں	۹/۰
۱۸/۰			۱	آتش پارے اور سیاہ حاشیے

مقبول مصنفین کی معیاری کٹابیں

۱۵/۰۰	سداوت حسن منٹو	افسانے	بادشاہت کا خاتمہ
۱۵/۰۰	سداوت حسن منٹو	افسانے	جستارے
۱۵/۰۰	ایاس سینا پوری	تاریکی ناول	دشت کا بھیڑیا
۱۸/۰۰	سداوت حسن منٹو	افسانے	آتش پارے اور سیاہ حاشیہ
۱۸/۰۰	سداوت حسن منٹو	افسانے	مٹھن ڈاگروشت
۲۴/۰۰	انیس مرزا	ناول	شرقی جیسر
۳۳/۰۰	سداوت حسن منٹو	افسانے	بابائو
۱۱/۰۰	سداوت حسن منٹو	ناول	بغیر عنوان کے
۱۳/۰۰	ایاس سینا پوری	تاریکی ناول	ککاش بہشت
۲۳/۰۰	سداوت حسن منٹو	خاکے	مجھے فرشتے
۹/۰۰	سداوت حسن منٹو	طہریج	تین عورتیں
۱۱/۰۰	سداوت حسن منٹو	افسانے	لذت سنگ
۱۵/۰۰	سداوت حسن منٹو	طہریج و مزاح	تلخ، ترش اور شیریں
۱۳/۰۰	سداوت حسن منٹو	افسانے	پہنڈے
۱۰/۰۰	عزیز بٹو	ناول	فرشتہ محبت کا
۱۲/۰۰	سداوت حسن منٹو	افسانے	دھواں
۱۲/۰۰	ایم ایف	طہریج و مزاح	خدا گتہ دم
۱۲/۰۰	ایم ایف	طہریج و مزاح	اردو کی آخری کتاب
۱۰/۰۰	میر حسن بیگ		عرب اسرائیل جنگ کی قضیہ باتیں

سامی بک ڈپو
اردو بازار، دہلی ۱۱۰۰۰۵

درجہ پست تاریخی مہماتی اور سماجی ناول

۲۰/۰	دریہ تارکی بیٹی	۲۵/۰	ایاس سینا پوری کے ناول
۲۰/۰	قرآن قرم کے باسی	۲۵/۰	غلام بادشاہ
۲۵/۰	آرہ پا	۱۲/۰	تلاش بہشت
۱۵/۰	قرآن قرم کا عبا ہی	۲۵/۰	شعلہ دہشت
		۲۵/۰	خاندان بر باد
		۱۵/۰	فرزند آسمان
		۱۵/۰	بہشت ازاد
		۲۵/۰	شیعہ پر داند
		۲۵/۰	جہاں آرا
		۲۵/۰	پروردہ خیال
		۲۵/۰	شہستان ناز
		۲۵/۰	آتش خاموش
		۲۵/۰	دور بین زاری
		۲۵/۰	سکندر نامہ
		۲۰/۰	سازش
		۲۰/۰	بروزک فخر